پرچھائی

از قلم فائزہ حسن

https://primeurdunovels.com/

مکمل ناول

پرچھائی

از قلم فائزہ حسن

دوپہر کے دو بج رہے تھے. وہ ابھی اٹھا تھا. لمبا قد، ہلکی بھوری آنکھیں، خوش شکل, عمر تیس سال. اس نے سادا سا سرمئی ٹراؤزر شرٹ پہن رکھا تھا جس پر پڑی شکنیں ساری رات کروٹیں بدلتے رہنے کی گواہ تھیں. اٹھ کر آئینے کے سامنے آتے ہی پچھلی رات کی اذیت نے ایک مرتبہ پھر دل کو کچوکہ لگایا تھا. آئینے کے سامنے دونوں ہاتھ سنگھار میز پر رکھ کر زرا سا جھک کر اپنی آنکھوں کو دیکھا جہاں رات جگے کی وجہ سے سرخ لکیریں تھی. اپنی آنکھوں میں جھانکتے وہ ماضی میں کہیں پیچھے چلا گیا تھا. وہاں جہاں اس درد کی داستان کا آغاز ہوا تھا. آہستہ سے آنکھیں بند کرتے شہرام نے ماضی کی یادوں کو خوش آمدید کہا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

یہ ایک دو منزلہ لیکن چھوٹا سا گھر تھا. گھر کے باہر کالے رنگ کی چھوٹی سی تختی تھی جس پر سنہرے حروف میں "حسنین ہاؤس" لکھا تھا۔ چھت تک لگی لائٹس گھر میں شادی کے ماحول کی خبر دیتی تھی. گھر میں مہمانوں کا رش تھا. کچھ مہمان اپنے گھروں کو جا چکے تھے، اور باقی جو زرا دور سے آئے تھے انکو رات یہیں رکنا تھا. آج شہرام کی چھوٹی بہن کَنزہ کی مہندی کا فنکشن تھا۔

خوشخبری رائٹرز متوجہ ہوں

ہر لکھاری کا خواب ہوتا ہے کہ اس کی تحریر کتابی صورت میں بھی شائع ہو اور انکی کتاب بک شیلف کی زینت بنے۔ آپ بھی ایک لکھاری ہیں اور اپنی تحریر کو کتابی شکل میں لانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ ہم آپ کی تحریر کو بہت کم ٹائم اور بہت مناسب قیمت میں آپ کی خواہش کے مطابق بہت عمدہ اور معیاری کوالٹی میں کتابی صورت میں شائع کرنے میں آپ کی مدد کریں گے۔
مزید معلومات کے لئے نیچے دئے گئے ایڈریس پر ابھی رابطہ کریں۔

Prime Urdu Novels Publications
Whatsapp : 03335586927
Email : aatish2kx@gmail.com

یہ تین بھائیوں، دو بہنوں اور ان کے والدین حسنین اور منتہیٰ پر مشتمل گھرانا تھا. شہرام بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا پھر چار سال کے فرق سے کَنزہ تھی، اس سے دو سال چھوٹا محسن تھا اور پھر محسن سے تین سال چھوٹے اور شرارتی دو جڑواں بہن، بھائی سعود اور بریرہ. سعود بریرہ سے آٹھ منٹ بڑا

تھا اور بات بے بات اسکو یاد دلاتا رہتا تھا. آج سب ہی خوش تھے. مہندی کا فنکشن ایک بڑے سے ہال میں منعقد تھا. سب تھکے ہارے ہال سے گھر آئے تھے اور اب سونے کی تیاریوں میں تھے.

گھر کے دروازے کے سامنے ایک راہداری تھی جس کے بائیں طرف گیراج تھا۔راہداری کے سامنے ایک چھوٹا سا گارڈن تھا۔گیراج سے پرے ایک دروازہ تھا جو لِونگ روم میں کھلتا تھا اس میں ایک طرف اوپن کچن تھا۔کچن کے ایک طرف ڈرائینگ روم تھا جس کا ایک دروازہ لِونگ روم میں کھلتا تھا اور دوسرا گیراج میں۔کچن کی دوسری طرف دو کمرے تھے۔

ایک کمرے میں منتحیٰ اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھی تھی جہاں ایک طرف معمول کے مطابق سعود اور بریرہ میں نوک جھونک جاری تھی اور دوسری طرف قہقہے روکنے کو منہ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھے حسنین، شہرام اور محسن تھے جبکہ منتحیٰ، سعود اور بریرہ کو ڈانٹتی باز رکھے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی. تبھی حسنین مسکرا کر سر جھٹکتے اٹھے اور کَنزہ کے کمرے کی طرف بڑھے.

خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں

تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا

پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی

تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے

ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر

ہمارے سب ویب بلاگز (ویب سائٹس)اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر

پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUESSION

دوسرے کمرے میں کَنزہ آئینے کے سامنے بیٹھی تھی. وہ پری میچیور پیدا ہوئی تھی اور اپنی عمر سے چھوٹی لگتی تھی. بالوں کی چُٹیا کھل چکی تھی، بالوں سے گجرہ نکال کر سامنے رکھا تھا. جبکہ لباس اب بھی مہندی والا ہی تھا. سلک کا ملٹی کلر لہنگا، جس پر سنہری تار کا کام تھا، اوپر سلک کی پیلی سادی سی کُرتی پہن رکھی تھی جس کے بازوؤں پر گلابی پیچ لگا ہوا تھا۔وہ کسی شہزادی سے کم نہیں لگ رہی تھی. اب وہ اپنا ہلکا سا میک اپ اتارنے کی تیاری کر رہی تھی جب دروازہ بجا.

کون؟ کَنزہ نے پیچھے مڑ کر دروازے کو دیکھتے ہوئے پوچھا.

میں اندر آ جاؤں؟ بھاری، گمبھیر آواز میں نرم لہجے کے ساتھ کسی نے دروازے کے پیچھے سے پوچھا.

کَنزہ آواز پہچان کر گہری مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے اٹھی. دروازے تک جاتے ہوئے بیڈ سے نارنجی جالی کا دوپٹہ جس کے کناروں پر سنہری کرن لگی تھی اٹھا کر گلے میں ڈالا اور دروازہ کھولا. باہر حسنین ہونٹوں پر پیاری سی مسکراہٹ سجائے کھڑے تھے، سفید سادی شلوار قمیض پہنے جس پر فنکشن کے دوران ملٹی کلر کی واسکٹ پہن رکھی تھی. اب وہ واسکٹ غائب تھی.

کَنزہ کی آنکھیں بھیگ گئی تھی مگر گہری خوبصورت سی مسکراہٹ جیسے ہونٹوں سے چپک گئی تھی. کَنزہ نے دروازے سے ہٹ کر راستہ دیا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے اندر آئے اور بیڈ کے کنارے بیٹھ گئے. کَنزہ بھی ساتھ ہی آ کر بیٹھی تھی. حسنین چند لمحے اُسے دیکھتے رہے جیسے بات کرنے کو الفاظ ڈھونڈ رہے ہوں. لمبی خاموشی کے بعد بالآخر کَنزہ نے خود ہی پوچھ لیا.

کیا سوچ رہے ہیں بابا ؟ آنکھوں میں سنجیدگی لئے سوال کیا گیا تھا کیونکہ حسنین تمہید باندھنے کے عادی نہیں تھے۔

تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے. انہوں نے سنجیدہ لہجے میں کہا اس کا مطلب تھا کہ بات واقعی بہت ضروری تھی. کَنزہ نے اثبات میں سر ہلایا مگر بولی کچھ نہیں۔

کل تمھاری رخصتی ہے کَنزہ. اس گھر سے جاتے ہوئے ایک بات اپنے پلو سے باندھ لو. کَنزہ نے یہ سمجھ کر کہ بابا صبر اور برداشت کی تلقین کریں گے آنکھیں گھما کر سر جھکا دیا جیسے کہنا چاہتی ہو کہ

"پچھلے ایک مہینے سے یہی باتیں سن سن کر بور ہو گئی ہوں کوئی نئی بات بتائیں" . لیکن اگلی بات پر کَنزہ نے جھٹکے سے سر اٹھایا.

ہم نے تمھارے لئے اچھے انسان کا انتخاب کیا ہے بیٹا مگر ہم انسان ہیں ہم سے بھول چوک ہو سکتی ہے. اگر کبھی لگے

کے ہم سے بھول ہوئی ہے تو لوٹ آنا بچے۔ A divorced daughter is better than a dead one (طلاق یافتہ بیٹی مردہ بیٹی سے بہتر ہوتی ہے)۔کَنزہ نا سمجھی سے ان کی شکل دیکھ رہی تھی. اس کے گھر والے ان پرانی فرسودہ روایات سے بیزار تھے کہ جس گھر میں بیٹی کی ڈولی جائے گی وہاں سے واپس بس اسکا جنازہ ہی آ سکتا ہے۔

یہ بات منتحیٰ نے بھی کہی تھی مگر وہ ماں تھی ایسی بات کی توقع ان سے کی جا سکتی تھی مگر حسنین باپ تھے پریشان وہ بھی رہتے تھے مگر ایسی بات انہوں نے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔

کَنزہ کی شکل پر حیرت صاف نظر آ رہی تھی. اسکی شکل دیکھ کر حسنین ہلکا سا ہنسے تھے کہ وہ کبھی قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔

ایسے کیوں دیکھ رہی ہو ؟ انہوں نے مسکرا کر پوچھا تھا.

آپ تو ایسی باتیں نہیں کرتے. آج کیا ہوا ہے؟ کَنزہ کو ان سے ایسے مشورے کی امید نہیں تھی تو آنکھیں چھوٹی کر کہ مصنوعی شک کے زیرِ اثر پوچھا تھا. حسنین نے بھویں سکیڑ کر مصنوعی خفگی سے اسے گھورا پھر سر پر ہلکی سی چپت رسید کر کے خود بھی ہنس پڑے۔

کَنزہ ابھی بیس (20) سال کی تھی اس لئے حسنین اتنی چھوٹی لڑکی ، جو خود اپنے منہ سے کہتی تھی کہ "میں چھوٹی نہیں ہوں" ، کی شادی کروانے کے خلاف تھے مگر پھر بھی اسکی شادی ہو رہی تھی آس پڑوس کی خواتین کی چہہ مگوئیوں کی بدولت.

مذاق نہیں کرو میں سیریس ہوں. حسنین نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا تھا. کَنزہ نے مسکرا کر سر کو خم دیا. "اور ہوا کچھ نہیں ہے بس تم رخصت ہو کر دور جا رہی ہو تو تھوڑا ٹچی ہو رہا ہوں."

اسی وقت شہرام اٹھ کر کمرے کی طرف آیا لیکن کنزہ کی آواز نے اسے وہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔

بابا پھوپھو لوگ نہیں آئیں؟خاندان کی پہلی شادی تھی۔کنزہ کو امید تھیں کہ کم از کم اس موقع پر تو آ ہی جائیں گی۔

تم جانتی ہو وہ نہیں آئیں گی پھر کیوں انتظار کرتی ہو؟ میں نے بلایا تھا انہیں لیکن نہ وہ خود آئیں نہ اماں جان کو آنے دیا۔خیر ایک سرپرائز ہے تمھارے لئے۔یہ کہہ کر حسنین اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اٹھے۔دروازے کھولتے ہی کچھ یاد آیا تھا وہ پیچھے مڑ کر کَنزہ سے کچھ کہنے لگے تھے جب باہر سے برتن گرنے کی آواز آئی۔

شہرام حسنین کے باہر آنے سے پہلے وہاں سے غائب ہونا چاہتا تھا لیکن پیچھے مڑتے ہی وہ کسی سے ٹکرا گیا۔اس نے سامنے دیکھا اور وہیں ساکت ہو گیا۔وہ سبز رنگ کی سلک کی پیروں تک آتی میکسی میں ہلکے سے میک اپ میں پریشان کھڑی تھی کیونکہ جو کھانا وہ کَنزہ کے لئے لائی تھی وہ زمین پر پڑا تھا. اسی وقت حسنین اور کنزہ بھی باہر آئے کنزہ، میرال کو وہاں دیکھ کر حیران تھی اسی وقت حسنین نے جھک کر کنزہ کے کان میں کہا "سر پرائز"۔

میرال سر جھکائے ہاتھ جھلاتی غصے سے کچھ کہہ رہی تھی۔دودھیا رنگت، اٹھی ہوئی ناک اور ناک میں چاندی کی نازک سی لونگ تھی۔گہرے سیاہ کمر تک آتے بال سٹریٹ کر رکھے تھے۔بات کرتی تھی تو بائیں گال میں ڈمپل پڑتا تھا۔

یہ کیا کیا آپ نے؟ میرال نے بڑی بڑی ہیزل گرین آنکھیں اٹھا کر شہرام کو دیکھ کر کہا تھا.

میں نے؟ شہرام اک دم ہوش میں آیا تھا.

جی بالکل آپ نے. میرال کو تو مانو صدمہ لگ گیا تھا. میرال نے غصے سے ہاتھ جھلاتے ہوئے کہا تھا کیونکہ اس کے ہاتھ پر بھی سالن گرا تھا جس سے اسکا ہاتھ جل گیا تھا۔اور بھی وہ نجانے کیا بول رہی تھی لیکن شہرام تو بس اسے دیکھتا گیا.

میرال شہرام کہ پھوپھو کی بیٹی تھی اور اس سے ساڑھے چار سال چھوٹی تھی. اس کی اور کنزہ کی عمر میں پانچ مہینے کا فرق تھا بچپن میں ان دونوں کی بہت دوستی تھی مگر اب دوستی ویسی نہیں رہی تھی

کیونکہ میرال بہت کم گھر آتی جاتی تھی کہ حسنین اور کوثر (حسنین کی بہن) ایک دوسرے سے نہیں ملتے تھے۔اب بھی وہ کوثر سے لڑ کر آئی تھی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

دروازے پر دستک ہوئی اور شہرام واپس حال میں آیا. شہرام نے آنکھیں کھولی مگر خاموش رہا. دروازہ دوبارہ بجا. جواب پھر ندارد. اب کی بار دروازہ زرا زور سے بجا تھا ساتھ ہی محسن کی فکرمند سی آواز آئی.

شہرام دروازہ کھولو یار. ایک محسن کے علاوہ سب شہرام کو بھائی کہہ کر مخاطب کرتے تھے.

دونوں میں چھ سال کا فرق تھا لیکن بچپن سے کَنزہ کے لئے دونوں کا جھگڑا رہتا تھا. شہرام محسن کو چھیڑتا تھا کہ کَنزہ اس کی بہن ہے اور محسن چِڑ کر کہتا کہ آپی میری بہن ہے . اور اس جھگڑے میں اس نے شہرام کو بھائی نہ کہنے کی سمجھو قسم کھا لی تھی. لیکن بڑے ہوتے ہوتے اور پھر بریرہ اور سعود کی پیدائش کے ساتھ یہ جھگڑے پہلے دوستی پھر بھائیوں کی محبت میں بدل گئے تھے.

اب کی بار شہرام کو دروازہ کھولنا پڑا کیونکہ محسن سے کوئی بعید نہیں تھی کہ وہ دروازہ توڑ کر اندر آ جاتا. دروازہ کھلا تو محسن کا چہرا سامنے آیا. اس کے چہرے کی معصومیت پولیس فورس نے چھین لی تھی، دروازہ کھلتے ہی اس کے چہرے پر بیزاری بھرا دکھ نظر آیا تھا.

تم ساری رات جاگتے رہے ہو؟ محسن کی آواز دھیمی ہوئی تھی. شہرام چند لمحے اسے دیکھتا رہا جیسے سوچ رہا ہو کہ اندر آنے کا راستہ دینا ہے یا نہیں. پھر لمبی سانس کھینچی راستے سے ہٹ گیا۔اندر آ کر شہرام آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا. بالوں میں برش پھیرتے خود کو مصروف ظاہر کیا.

سب چاہتے تھے کہ محسن بھی شہرام کی طرح یا تو اپنا بزنس کرے یا شہرام کے ساتھ بزنس میں پارٹنر شپ کر لے مگر محسن نے ضد کر کے پولیس فورس جوائن کرلی تھی. اس کی پوسٹنگ لاہور میں تھی. اب بھی میرال کے ویسے پر آیا تھا.

محسن خاموشی سے اندر آیا اور بغور شہرام کو دیکھتے ہوئے اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا. جب بہت دیر تک محسن کچھ نہیں بولا تو شہرام نے نظر اٹھا کر آئینے میں اسے دیکھا پھر نظر جھکا دی مگر پلٹا نہیں.

میری شکل میں محبوبہ نظر آ رہی ہے؟ شہرام نے زبردستی موڈ خوشگوار کرنے کی کوشش کی. محسن خاموش رہا. شہرام پلٹ کر خود کو انویسٹیگیشن کے لئے تیار کرتے ہوئے سنگھار میز سے ٹیک لے کر کھڑا ہو گیا. محسن اس کی الماری تک گیا، الماری کھولی میروں رنگ کی گول گلے اور پوری آستینوں والی ٹی شرٹ کے ساتھ کالے رنگ کی جینز نکال کر بیڈ پر رکھی اور شہرام کے مقابل آ کھڑا ہوا.

پانچ منٹ. اتنا کہہ کر محسن نے باہر کا رخ کیا. تبھی پیچھے سے شہرام نے آواز دی.

دس منٹ تو دو یار. معصومیت بھری مِنت. محسن نے کمال مہارت سے مسکراہٹ چھپائی اور مڑ کر دیکھا.

اوکے محبوبہ دس منٹ. شہرام مسکرا کر کپڑے اٹھاتا واشروم میں گھس گیا. دل میں ہزار مرتبہ شکر ادا کیا تھا کہ محسن نے کوئی سوال نہیں کیا.

شہرام کسی کی بات اُس طرح نہیں مانتا تھا جس طرح محسن کی مان لیتا تھا. سو اب بھی مان لی تھی ورنہ محسن کی ضد سے وہ واقف تھا.

شہرام واقعی دس منٹ میں تیار ہو کر باہر تھا. منتہیٰ صوفے پر ٹی وی کے سامنے بیٹھی تھی. انہوں نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر خاموش ہو گئی شہرام نے ان کے سامنے آ کر خاموشی سے سر جھکا دیا، منتہیٰ نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسکا سر چوما. شہرام کچھ دیر کھڑا رہا پھر سلام کرتا باہر چلا گیا.

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

گاڑی سڑک پر بھاگ رہی تھی. محسن ڈرائیو کر رہا تھا اور شہرام پیسنجر سیٹ پر بیٹھا باہر دیکھ رہا تھا. ذہن میں بچپن کا منظر فلم کی طرح چل رہا تھا۔

میں پرسوں واپس جا رہا ہوں. محسن کی آواز شہرام کو ہوش کی دنیا میں واپس لائی۔

اتنی جلدی کیوں؟ ابھی تو آئے تھے. شہرام اسے روکنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اسکی جاب کی نوعیت جانتا تھا. پھر بھی اس کے اتنی جلدی واپس جانے پر بوکھلا گیا تھا.

ایک کیس پر کام کر رہا تھا کافی عرصے سے، اس میں کچھ لیڈ ملی ہے. محسن نے مختصراً بتایا.

کون سا کیس؟ شہرام نے سرسری سا پوچھا تو محسن نے اسے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔اور پھر سر نفی میں ہلا دیا۔

شہرام بھی کندھے چکا کر ونڈ شیلڈ سے باہر دیکھنے لگا۔اسے پتا تھا محسن اس کو کچھ نہیں بتائے گا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

یہ ایک میڈیکل کالج کا منظر تھا. کلاس ابھی ختم ہوئی تھی. وہ اپنا سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈال رہی تھی جب اس کی دوست اس کے سر پر آ پہنچی.

ہیلو. بریرہ اک دم سیدھی ہوئی. وہ دونوں یونیفارم پر لیب کوٹ پہنے ہوئے تھیں. سفید گلابی سے چہرے پر بڑی بڑی، سرمئی آنکھیں، گلابی ہونٹ جن پر ہلکا سا لپ بام لگا رکھا تھا اور آدھی کمر تک آتے براؤن سیدھے سٹیپ میں کٹے بال جو کیچر میں قید کر رکھے تھے. رنگ و روپ میں سارے بچے حسنین جیسے تھے گورے اور لمبے. منتہیٰ کا قد لمبا تھا مگر رنگ گندمی تھا.

آ گئی دوست کی یاد؟ بلکہ اب بھی کیا ضرورت تھی؟ جاؤ جا کر اسی چڑیل کے ساتھ بیٹھو. بریرہ شدید غصے میں تھی کیونکہ اِصفہ آج ہنزہ کے ساتھ بیٹھ گئی تھی. بریرہ کو اپنی کسی بھی چیز میں شراکت داری پسند نہیں تھی پھر یہاں تو معاملہ اس کی واحد اور بچپن کی دوست کا تھا. ویسے بھی وہ زیادہ دوست نہیں بناتی تھی۔

یار تم لیٹ تھی اور اکیلے بیٹھنا مجھے پسند نہیں ہے تمھیں تو پتا ہے. بے چارگی سے صفائی پیش کی گئی.

اور مجھے تمھارا کسی اور کے ساتھ بیٹھنا نہیں پسند. تمھیں بھی یہ بات پتا ہے نا؟ بریرہ کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا.

اچھا ناں اب بس کرو میں نے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا بھوک سے جان نکل رہی ہے۔چلو ناں کیفے چلتے ہیں. اِصفہ نے معصوم سی شکل بنا کر کہا تو بالآخر بریرہ کو اس پر ترس آیا.

آیندہ اگر میں لیٹ ہو جاؤں تو انتظار کرنا. کسی اور کے ساتھ بیٹھی تو سر پھاڑ دوں گی، تمھارا بھی اور اس کا بھی. آئی سمجھ؟ بریرہ نے وارن کیاتو اِصفہ نے دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھا کر اثبات میں سر ہلا دیا. اب وہ دونوں باتیں کرتی کیفے کی طرف جا رہی تھی.

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

یہ اسلام آباد کا ایک بڑا پرائیویٹ کالج تھا یہاں آنے والے اکثر طلباء کا تعلق با اثر اور امیر گھرانوں سے تھا. جبکہ سعود ایک بینک مینیجر کا بیٹا تھا. سعود نے یہاں ایڈمیشن اسکالرشپ پر لیا تھا. حالانکہ منتحیٰ اس کے خلاف تھیں. ان کا کہنا تھا کہ اتنے مہنگے کالج میں ایڈمیشن لینے کی کیا ضرورت ہے لیکن سعود کا سکالرشپ آنے کے بعد منتحیٰ کے اعتراضات بھی ختم ہو گئے تھے۔

وہ کلاس میں بیٹھا پورے انہماک سے پروفیسر کو سن رہا تھا. تبھی ایک کاغذ کا ٹکڑا کسی نے پچھلی سیٹ سے اس کے ڈیسک پر پھینکا. سعود نے اٹھایا تو لکھا تھا "آج کھانا کھانے جا رہے ہیں تم بھی چلو. لفٹ ہم دے دیں گے." ساتھ میں مسکراتا ہوا ایموجی بنا تھا. سعود نے کاغذ مٹھی میں دبا کر واپس پھینکا اور دوبارا پروفیسر کو سننے لگا۔

دو گھنٹے بعد کلاس کا وقت ختم ہو چکا تھا۔سب طلباء کلاس سے نکل چکے تھے. سعود اور اس کے چار دوست، جن میں دو لڑکیاں بھی شامل تھی، اب بھی کلاس میں موجود تھے. سعود کمال، حمزہ خان، شہاب افتخار ملک، قرط العین شاہ(جس کو سب عینی کہہ کر پکارتے تھے) اور رَمشہ رحمٰن کالج کے مشہور ترین گروپس میں سے تھے.

سعود اور شہاب بچپن سے ساتھ تھے حمزہ سے دوستی چار سال پہلے ہوئی تھی جب وہ کسی اور سکول سے سعود اور شہاب کے سکول میں ٹرانسفر ہوا تھا اور عینی اور رَمشہ سے دوستی حمزہ کی رنگیں مزاجی کی وجہ سے ہو گئی تھی.

رمشہ اپنے گھر میں اپنے ماں باپ اور ایک بہن عِزہ کی موجودگی میں بھی خود کو تنہا محسوس کرتی تھی. عزہ کو منہ لگانے کا دل نہیں کرتا تھا، ابا انڈسٹریلیسٹ تھے سارا دن مصروف ہوتے ایسے میں امی تھی اور وہ گھر کے کاموں سے فارغ نہیں ہو کے دیتی تھی۔

شہاب کے والدین کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا اور شہاب ہوسٹل میں رہتا تھا۔ کبھی کبھی گاؤں چلا جاتا تھا جہاں اس کے تایا اعجاز ملک، ان کی بیوی ندا اعجاز ملک اور بیٹی کرن اعجاز ملک رہتے تھے۔وہ اپنے گاؤں کے سر پنچ تھے۔

عینی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔وہ اپنے ماں باپ کی لاڈلی تھی۔اسے دنیا کی کی ہر نعمت میسر تھی مگر اس نے اس بات کو کبھی اپنے سر پر سوار نہیں کیا تھا۔

اور رہا حمزہ تو اس کے کے والدین چھ ماہ پاکستان میں رہتے تھے اور چھ ماہ آسٹریلیا میں۔حمزہ کے دو بھائی تھے ریحان اور مستجاب۔حمزہ ان میں سب سے چھوٹا تھا۔ریحان آسٹریلیا میں مقیم تھا وہیں اپنا بزنس بھی کرتا تھا۔حمزہ اور مستجاب یہاں ساتھ رہتے تھے۔مستجاب یہاں جاب کرتا تھا اور حمزہ کی پڑھائی مکمل ہونے کا انتظار کر رہا تھا اس کے بعد ان دونوں کو بھی آسٹریلیا چلے جانا تھا۔

کلاس روم میں سیٹیں سیڑھیوں کی طرح بنی تھیں. سعود سے اوپر والے سٹیپ پر شہاب بالکل اس کر سر کے پیچھے بیٹھا تھا، رَمشہ اوپر والے سٹیپ سے اتر کر سعود کے برابر ایک سیٹ چھوڑ کر آ بیٹھی تھی. اور عینی اور حمزہ نیچے والے سٹیپ پر رُخ سعود کی طرف موڑ کر آمنے سامنے بیٹھے تھے.

تم اتنے بوڑھے لگتے تو نہیں ہو. شہاب نے پیچھے بیٹھے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر سفید بال ڈھونڈنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا تھا. اشارہ کھانے کے لئے کئے گئے انکار کی طرف تھا.

ہا ہا ہا very funny . سعود نے طنزیہ کہا. "یار چلو ناں اب دیکھو ہم تو ہو گئے بُک، کیا پتا تم دونوں بھی کوئی مل جائے". حمزہ نے شوشہ چھوڑا جس پر عینی اور رَمشہ نے اس کو گھور کر دیکھا.

اس کا اشارہ اپنے اور عینی کی طرف تھا کیونکہ پہلے ہی دن سے حمزہ کو عینی پر اچھا خاصا کرش تھا. عینی کو یہ بات پتا تھی لیکن حمزہ نہیں جانتا تھا کہ عینی شہاب میں انٹرسٹڈ تھی. ایک حمزہ کے علاوہ باقی سب اس لَو ٹرائی اینگل سے واقف تھے۔عینی نے ابھی اسے نہیں بتایا تھا کہ میرے جذبات کسی اور کے لئے ہیں۔اس نے سوچا تھا کہ بتا دے گی، بہت جلد لیکن ابھی نہیں۔

نہیں یار پھر کبھی صحیح۔سعود اپنی چیزیں سمیٹتا اٹھ گیا.

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

ایک بڑے سے بنگلے میں رمشہ داخل ہوتی دکھائی دے رہی تھی. ساتھ ہی گھر میں کھانا پکانے والی بوڑھی خاتون سعیدہ خالا کو آوازیں دیتی جا رہی تھی۔

سعیدہ خالا، سعیدہ خالا کہاں ہیں آپ؟ تھکے ہوئے انداز میں آوازیں دیتی وہ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھی۔ تبھی ایک چھوٹی سی نازک سی لڑکی دوپٹے سے ہاتھ خشک کرتی کچن سے باہر آئی۔ سادہ لباس پہنے، گھنے، لمبے اور بھورے بال کیچر میں باندھے وہ سادگی میں بھی پیاری لگتی تھی۔

سعیدہ خالا تو گھر چلی گئی آپ مجھے بتا دیں کیا چاہئیے؟ عِزہ نے عجلت میں پوچھا.

کیوں؟ گھر کیوں چلی گئی؟ رمشہ نے ایک بیزار نظر اس پر ڈالی. عِزہ جانتی تھی کہ رمشہ کو اس وقت اس کی شکل ناگوار گزر رہی ہو گی۔

وہ ان کی نواسی سیڑھیوں سے گر گئی تھی. اس کو اسپتال لے کر جانا تھا اس لئے چلی گئی. رمشہ نے سر پیچھے پھینکنے کے انداز میں صوفے کی پشت پر ٹکایا.

ایک تو ان کے گھر والے آئے دن مرتے رہتے ہیں. رمشہ اکتائے ہوئے انداز میں بڑبڑائی لیکن آواز پھر بھی عزہ تک پہنچ گئی تھی۔عزہ کا منہ کھل گیا تھا۔

آپی اس طرح مت کہیں. ان کی نواسی واقعی۔۔۔عزہ کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی، رمشہ ایک دم بولی۔اچھا یار اب مجھے لیکچر دینا مت کرنا شروع کر دینا. کھانے میں کیا ہے؟ بھوک لگی ہے مجھے۔

بریانی بنائی ہے میں نے۔امی نے کہا تھا ... رمشہ نے پھر بات کاٹی۔

ایک منٹ تم نے بنایا ہے کھانا؟ کیوں؟ اگر سعیدہ خالا نہیں تھی تو امی بنا لیتی کھانا. رمشہ کو عزہ کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں تھا.

امی کہیں گئی ہیں. بتایا نہیں کہاں۔عزہ نے فوراً جواب دیا.

"اچھا جاؤ یار کھانا لگاؤ"رمشہ کوفت سے کہہ کر فریش ہونے چلی گئی.

عزہ کی حیثیت اس گھر میں سعیدہ خالا سے بھی گئی گزری تھی. عزہ سے دونوں ماں بیٹی مخاطب ہونا بھی پسند نہیں کرتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ رحمٰن خان نے دو شادیاں کی تھی. ایک نگینہ سے اپنے ماں باپ کی مرضی سے اور دوسری سویرہ سے اپنی پسند سے. عزہ سویرہ کی بیٹی تھی اسی لئے نگینہ کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی. عزہ دو سال کی تھی جب سویرہ کا انتقال ہو گیا. وہ کچھ عرصہ اپنے نانا نانی کے پاس رہی تھی پھر چند سالوں بعد نانی کی بیماری اور پھر انتقال کی وجہ سے رحمٰن خان اسے اپنے پاس لے آئے. رحمٰن اس سے بہت محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے مگر نگینہ کا رویہ اس کے ساتھ عجیب سا تھا رحمٰن کی موجودگی میں تو اس کو بہت پیار کرتی تھی لیکن رحمٰن کے جاتے ہی وہ اس سے رویہ بدل لیتی تھی. آہستہ آہستہ رحمٰن مصروف ہوتے گئے اور عزہ پر اس گھر میں زندگی تنگ ہوتی گئی.

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

گاڑی ایک ریستورانٹ کے سامنے رکی تھی. محسن اور شہرام اکٹھے باہر نکلے. ریستورانٹ چھوٹا سا تھا. سامنے شیشے کی دیوار تھی جس کے پار بیٹھے لوگ نظر آ رہے تھے. لوگوں کی قطاروں کے پیچھے کچن تھا. کچن میں کھانا بنتے دیکھا جا سکتا تھا لیکن درمیان میں شیشے کی دیوار ہونے کی وجہ سے دھواں ہال میں نہیں آتا تھا. آج یہاں رش معمول سے زیادہ تھا۔

یہاں کیوں آئے ہیں ہم؟ شہرام نے اندر جاتے ہوئے سوال کیا.

کیونکہ تم مجھے کھانا کھلا رہے ہو. محسن نے اسے آنکھ مارتے مسکرا کر جواب دیا. جس پر شہرام نے اسے گھور کر دیکھا. محسن نے اسے خود کو گھورتے دیکھا تو ڈھٹائی سے مسکرا کر بولا " تھینکس بڈی"۔ اور ارد گرد نظر دوڑاتا آگے چلنے لگا۔

دونوں ساتھ ساتھ چلتے ایک ٹیبل تک آئے. محسن نے بیٹھتے ہوئے ویٹر کو اشارہ کیا. ویٹر مینو کارڈ لے کر آیا محسن نے ایک مفن اور کافی آڈر کی، شہرام نے کافی پر ہی اکتفا کیا۔

شہرام نے اس کی گاڑی والی بات یاد آنے پر اسے مخاطب کیا. اتنی جلدی کیوں جا رہے ہو؟ محسن بہت لمبے عرصے بعد گھر آیا تھا اس لئے شہرام اس کے جلدی جانے پر اداس ہو رہا تھا۔

محسن نے جو آگے پیچھے دیکھ رہا تھا رک کر اسے دیکھا. اور تھوڑا سوچ کر کہا "یار چھوڑو اس بات کو تمھیں یہاں کسی اور ٹاپک پر بات کرنے کے لئے لایا تھا"۔ محسن گردن نہیں گھماتا تھا مگر نظر اردگرد کے ماحول پر ہی تھی۔شھرام نے بھی یہ بات نوٹ کی تھی مگر وجہ سمجھ نہ آنے پر خاموش رہا۔

ایسی کیا بات کرنی تھی جو گھر پر نہیں ہو سکتی تھی؟شھرام نے اس کے کافی کے لئے اتنا دور آنے پر چوٹ کی. محسن خجل سا مسکرا کر شھرام کی طرف متوجہ ہوا.

اس جگہ کی کافی بہت مشہور ہے۔میں ٹھہرا مسکین سا پولیس آفیسر اور تم ایک کامیاب بزنس مین کافی تو پلا ہی سکتے ہو. محسن نے اتنی مسکین سی شکل بنا کر کہا کہ شھرام کو ہنسی آ گئی۔

تم جیسے مسکینوں سے اللہ ہی بچائے۔شھرام نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی.

"بات یہ ہے کہ ماما بہت پریشان ہیں. تمھارا رویہ بہت عجیب ہوتا جا رہا ہے"۔ محسن نے کافی کا سپ لیتے ہوئے دوبارہ کہا۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے اور اس کافی کا بل تم خود دو گے۔شھرام نے اکتا کر اعلان کیا . محسن نے سر اٹھا کر شھرام کو دیکھا جو آنکھیں سکیڑے بڑے غور سے محسن کو دیکھ رہا تھا.

ماما پریشان ہیں شھرام انھیں لگتا ہے کہ تم ہر چیز کا ذمہ دار انھیں سمجھتے ہو. محسن اب زرا سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا.

"نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے، ماما خوامخواہ پریشان ہیں." شھرام نے سر جھکا کر کپ کے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ محسن نے شھرام کی بات سن تو لی مگر یقین نہیں آیا تھا۔ محسن اب کہنیاں ٹیبل پر رکھ کر آگے کو ہوا۔

میرال سے دستبردار تم خود ہوئے تھے۔اب میرے جانے سے پہلے ماما سے بات کر لینا۔ محسن نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا اور شھرام نے تابعداری سے سر ہلا دیا۔

محسن کا دھیان اب بھی گرد و نواح پر تھا۔شھرام کو یہ بات عجیب لگی تھی

تم ... ابھی شہرام کچھ کہہ رہا تھا جب محسن نے فون نکال کر کسی کو میسج کیا۔اس کے چہرے کے پر پریشانی در آئی تھی.

کیا ہوا؟ شہرام نے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر پوچھا.

کچھ نہیں، چلیں؟ محسن نے موبائل میں مصروف، بٹن دباتے ہوئے کہا اور شہرام کو کچھ کہنے کا موقع دئے بغیر اُٹھ گیا تھا جیسے بہت جلدی میں ہو.

محسن کا موڈ سخت خراب ہوا تھا۔لیکن کس بات پر؟ شہرام یہی سوچ کر الجھ گیا تھا۔اس نے سر گھما کر آگے پیچھے دیکھا۔

شہرام، چلیں؟ محسن نے دوبارہ پکارا تو وہ سیدھا ہوتا والٹ نکالنے لگا۔

شیور۔شہرام نے ساتھ ہی ویٹر کو اشارہ کیا وہ بل لے آیا۔بل پے کر کہ وہ دونوں آگے پیچھے ریستورانٹ سے باہر نکل آئے.

○○○

اگر آپ اندر نہیں جانا چاہتی تو ہم واپس جا سکتے ہیں لیکن۔۔۔۔حسنین بات کرتے کرتے خاموش ہو گئے تو منتحیٰ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

یہ یاد رکھیئے گا کہ اگر آج آپ ڈر گئی تو ساری زندگی سر نہیں اٹھا سکیں گی۔آج آپ کو ہمت کرنی پڑے گی یہ آپ کے لئے بہت ضروری ہے۔حسنین کی بات پر منتحیٰ نے گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگا کر کھڑے شہرام کو دیکھا۔وہ منتحیٰ کو ہی دیکھا رہا تھا لیکن ان کے دیکھتے ہی نظر جھکا دی۔منتحیٰ نے کچھ سوچ کر گہری سانس اندر کو کھینچی اور دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

زاہد کمال اور نجمہ بیگم کے تین بچے تھے۔سب سے بڑی بیٹی کوثر کمال تھی، ان کی شادی چھوٹی عمر میں ہی کر دی گئی تھی۔شادی کے چند سالوں میں ایک بیٹی اور ایک مردہ بیٹا پیدا ہوا اور پھر کچھ ہی مہینوں میں شوہر کا انتقال ہو گیا۔سسرال والوں نے منہوس کا لیبل لگا کر انہیں گھر سے نکال دیا۔ اب وہ اپنی اماں جان کے پاس رہتی تھی۔

کوثر کے بعد وقاص کمال تھے۔وقاص زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن وراثت میں ملے ابا کے ملٹی سٹور کو بہت اچھے طریقے سے سنبھال رہے تھے۔وہ، ان کی بیوی فاطِمہ مظہر اور دو بیٹیاں، منیزہ اور مختاب پہلے اماں جان کے ساتھ رہتے تھے مگر پھر بچے بڑے ہو گئے تو انہیں الگ گھر کی ضرورت محسوس ہونے لگی وہ اپنے خاندان سمیت ایک چھوٹے مگر خوبصورت فلیٹ میں شفٹ گئے۔یہ بات کوثر کو بہت بری لگی کہ بھابھی نے بھائی کو اماں جان سے الگ کر دیا انہوں نے وقاص کو روکنا بھی چاہا مگر وقاص نے اس معاملے میں کسی کی نہ سنی۔

وقاص کے بعد حسنین کمال تھے۔شادی کے بعد حسنین اور ان کی بیوی منتہیٰ نے اماں کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا۔لیکن کوثر کو گھر میں ہونے والی تبدیلی اور اپنی اہمیت میں ہوتی کمی کھلتی تھی اس لئے وہ آئے دن کوئی نہ کوئی جھگڑا نکال کر بیٹھ جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دن اماں نے غصے میں منتہیٰ کو تھپڑ مار دیا۔حسنین جب گھر آئے تو کوثر غصے میں بڑبڑاتی ادھر اُدھر ٹہل رہی تھی اور منتہیٰ اپنے کمرے میں تھی کوثر کا شاید ابھی بھی دل نہیں بھرا تھا تو انہوں نے دو کی چار بنا کر ان کو بتا دی۔حسنین ٹھنڈے مزاج کے آدمی تھے انہوں نے سب کو بیٹھا کر بات کرنا چاہی لیکن کوثر بھڑک اٹھی کہ کیا اب اماں جان کو اس کے سامنے سر جھکا کر صفائی بھی دینا ہو گی۔بات بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھی کہ منتہیٰ کو بدعاؤں، گالیوں اور طعنوں کے ساتھ گھر سے نکال دیا گیا۔

اس وقت منتحیٰ کے تین بچے تھے۔دس سالہ شہرام، چھ سالہ کَنزہ اور دو ماہ کا محسن۔اس دن کے بعد منتحیٰ نے ان لوگوں سے ملنے اور تعلقات بہتر کرنے کی ہزاروں کوششیں کی مگر اماں اور کوثر نے ہمیشہ اس کا دل اپنے الفاظ سے چھلنی کیا۔ایک مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا مگر پھر منتحیٰ نے کوشش کرنا چھوڑ دیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

اندر جا کر منتحیٰ کا دل چاہا وہاں سے بھاگ جائے۔اماں جان نے تو پھر بھی منتحیٰ کا مسکرا کر سر کے خم سے استقبال کیا تھا مگر کوثر صرف حسنین اور شہرام سے ملی اور بہت پیار سے ملی مگر منتحیٰ کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔یہ بات ان تینوں نے نوٹ کی تھی مگر وہ خاموش رہے۔

منتحیٰ اماں جان کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔وہ طنطنہ، وہ غرور۔ان کے چہرے پر کچھ بھی نہیں تھا بلکہ اب ان کے چہرے پر جھریاں تھی، آنکھوں کے نیچے ہلکے تھے۔ان کی ہڈیاں نظر آنے لگی تھی۔ہاتھ پیر بھی کانپنے لگے تھے اور کمر جھک گئی تھی۔کوثر ایک سکول میں پڑھاتی تھی۔منتحیٰ کو جب پتا چلا کہ اماں جان بیمار ہیں تو وہ کوثر کی غیر موجودگی میں کئی دفعہ اماں جان سے ملنے آئی تھی مگر ایک دن

کوثر جلدی گھر لوٹ آئیں۔اس دن ایسا تماشا ہوا کہ شور سن کر سارا محلہ اکٹھا ہو گیا۔بس پھر اس دن کے بعد منتحیٰ نے دوبارہ اس گھر میں قدم نہ رکھا۔

شھرام، اماں جان اور کوثر کے ساتھ بڑے صوفے پر جا بیٹھا، حسنین اور منتحیٰ سامنے رکھے دو سنگل صوفوں پر بیٹھ گئے۔حسنین اور منتحیٰ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے کہ بات کون شروع کرے گا،بالآخر حسنین نے کہنا شروع کیا۔

آپا آج آپ سے کچھ مانگنے آیا ہوں۔حسنین نے منتحیٰ کو ایک نظر دیکھا اور بات جاری رکھی۔"ہم اپنے شھرام کے لئے آپ کی میرال کا ہاتھ مانگنے آئے ہیں۔"شھرام کا دل عجیب سے خوف سے دھڑکا۔

یہ ضرور میرے بھائی کا فیصلہ ہو گا ورنہ تمہیں تو میں اور میری بیٹی برداشت ہی نہیں تھے۔کوثر نے منتحیٰ کو دیکھ کر مغرور لہجے میں کہا۔منتحیٰ کا سر جھک گیا۔شھرام نے بے بسی سے منتحیٰ کو دیکھا۔ میرال اس کی پسند تھی مگر وہ منتحیٰ کو اس طرح بے عزت ہوتے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

یہ شہرام کی خواہش تھی آپا اور ہم نے ہمیشہ اپنے بچوں کی خواہش کا احترام کیا ہے۔اب آپ بتائیں آپ کا کیا خیال ہے اس رشتے کے بارے میں؟ حسنین نے کوثر کو مخاطب کر کے کہا۔

کوثر نے کچھ سوچتے ہوئے شہرام کو دیکھا پھر منتحیٰ کی طرف رخ موڑ کر بیٹھی اور انہیں مخاطب کیا۔"تم کیا کہتی ہو منتحیٰ ہاں کہہ دوں؟"

منتحیٰ نے شہرام کو ایک نظر دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر کہا "میں میرال کو اپنی بالکل بیٹیوں کی طرح رکھوں گی آپا"۔منتحیٰ کی گرفت پرس پر اتنی سخت تھی کہ ان کے ہاتھ سفید پڑ رہے تھے۔ شہرام کی نظر ان کے ہاتھوں پر گئی۔شہرام کو اپنی ماں پر ترس آیا تھا تبھی ماں بیٹے کی نظر ملی تو شہرام نے سر کو زرا سا خم دے کر انہیں حوصلہ دیا۔

کوثر نے اثبات میں سر ہلا کر ٹانگ پر ٹانگ رکھی اور پاؤں جھلاتے ہوئے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

" میں ہاں کہہ تو دوں مگر۔۔۔"اتنا کہہ کر کوثر نے سب کے چہرے دیکھے۔

مگر کیا پھوپھو؟ شہرام اتنی دیر میں پہلی بار بولا تھا۔

مگر اس سے پہلے دل صاف کرنا بہت ضروری ہے۔کوثر نے اپنا پیر ہوا میں جھلاتے ہوئے کہا۔"اگر تم مجھ سے معافی مانگ لو تو میں اس رشتے کے بارے میں سوچ سکتی ہوں"۔اگلا جملہ کوثر نے منتحیٰ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔منتحیٰ اپنی جگہ سُن ہو گئی جبکہ شہرام اور حسین اک دم سیدھے ہو کر بیٹھے۔شہرام نے منتحیٰ کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو ان کی نظر کوثر کے پیر پر تھی۔شہرام کو بات اب سمجھ آئی تھی۔

آپا صاف کہئیے کیا کہنا چاہتی ہیں۔اس سے پہلے کے کوئی اور کچھ کہتا حسنین بول اٹھے۔

میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔کوثر کا لہجہ بے لچک تھا۔اور نظر بُت بنی بیٹھی منتحیٰ پر تھی۔وہ اس انتظار میں تھی کہ منتحیٰ ان کے قدموں میں بیٹھ کر معافی مانگیں گی۔

بھئی میری میرال کو تو رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔یہ بات تو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو۔امریکہ سے رشتہ آیا ہے میری بچی کا۔میں اپنے بھائی کہ منہ پر ہاں بھی کر دوں مگر تم نے میرا بڑا دل دکھایا تھا منتحیٰ اور پھر میرے بھائی کو بھی لے کر الگ ہو گئی۔اب دل میں بغض رکھ کے رشتہ کریں گے تو کتنے دن چلے گا؟ ویسے بڑے بوڑھے ٹھیک ہی کہتے ہیں اپنا کیا سامنے آتا ہے۔تم نے اماں جان سے انکا بیٹا چھین لیا تھا۔آج تمھارے بیٹے کی ضد تمھیں یہاں لے آئی۔

شہرام اتنی دیر سے برداشت کر کے بیٹھا تھا اب اسکا صبر جواب دے گیا تھا وہ خاموشی سے اٹھا اور منتحیٰ کے قدموں میں آ بیٹھا۔سب یہ سمجھے کے وہ منتحیٰ کو معافی مانگنے پر مجبور کرے گا لیکن اس نے منتحیٰ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چومے۔

"ہمارا یہاں آنا اس خاندان کو جوڑنے کی آخری کوشش تھی ماما۔میں میرال سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن آپ کو بے عزت کر کے، آپ کا سر جھکا کے نہیں۔اور میں کچھ بھی بھولا نہیں ہوں۔"آخری جملہ اس نے کوثر کو سنانے کو اونچا سا کہا اور کھڑا ہو گیا۔

حسنین بھی ساتھ ہی کھڑے ہوئے اور "میں گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں" کہہ اماں جان کو سلام کرتے باہر چلے گئے۔کوثر کو انہوں نے دانستہ نظر انداز کیا تھا۔منتہیٰ اور شہرام نے بھی صرف اماں جان کو سلام کیا۔

ہاں ہاں جاؤ۔میری بیٹی کو رشتوں کی کونسی کمی ہے؟ اس سے بھی اچھے لڑکے سے شادی کر کے دکھاؤں گی اپنی بچی کی۔کوثر پیچھے غصے میں کھڑی کہہ رہی تھی مگر وہ سننے کے لئے نہیں ٹھہرے۔

اماں جو سارا وقت خاموش رہی تھی اب بھی ملامتی نظروں سے اپنی بیٹی کو دیکھ کر مایوسی سے سر ہلاتی اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی اور کوثر اپنا سا منہ لئے کھڑی رہ گئی۔

وہ جو یہ توقع کئے بیٹھی تھی کی میرا بھائی اکلوتی بہن کی محبت میں بیوی کو جھکنے پر مجبور کرے گا، سب کچھ ان کی توقع کے برعکس ہوا تھا۔

یہاں اکیلی بیٹھی کیا کر رہی ہیں؟ منتہیٰ کے تخیل کو سعود کی آواز نے توڑا تھا۔

تم کب آئے؟ منتحیٰ کو حیرت ہوئی۔وہ کب ان کے ساتھ آ بیٹھا انہیں پتا ہی نہیں چلا۔

جب آپ اپنے ہینڈسم شوہر کے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔سعود نے مسکراہٹ دباتے ماں کو چھیڑا۔

شرم کرو ماں کو چھیڑ رہے ہو؟ منتحیٰ کو ہنسی آ گئی۔دونوں وہیں بیٹھے باتیں کرنے لگے اس سے باتیں کرتے ہوئے منتحیٰ اب ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

آج حسنین ہاؤس میں خاموشی تھی۔محسن کو کل واپس جانا تھا وہ اپنی تیاریوں میں لگا تھا اور منتحیٰ ہر ماں کی طرح اداس تھی جیسے وہ پہلی دفعہ گھر سے دور جا رہا ہو۔منتحیٰ ابھی اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھیں اور اب بریرہ اس کے پاس اپنی اداسی لے آئی تھی۔

اس نے آتے ہی بغیر کچھ کہے ہاتھ میں پکڑے پیکٹ محسن کی طرف بڑھائے۔انداز میں اب بھی ناراضگی تھی۔محسن پیکٹ پکڑنے کے بجائے آگے آیا اس کے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر زرا جھکا اور

اس کا سر چوما پھر اس کے ہاتھ سے پیکٹ لئے اور واپس بیڈ کی طرف آیا جہاں ایک بیگ کھلا پڑا تھا اور اس میں سلیقے سے طے کئے ہوئے کپڑے پڑے تھے۔

یہ کیا ہے؟ پیکٹ الٹ پلٹ کر دیکھتے پوچھا۔

ڈرائی فروٹ ہے مجھے پتا ہے آپ کو پسند ہیں اس لئے لائی تھی۔بریرہ نے اس کے کھلے پڑے بیگ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ناراضگی اب بھی قائم تھی۔

اس کی ضرورت نہیں تھی بیٹا۔لاہور میں سب ملتا ہے۔محسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں بہت پیار سے لائی تھی آپ کو نہیں چاہئیے تو واپس دے دیں۔بریرہ نے برا مان کر اس کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔

کیوں ناراض ہو؟ محسن نے پیکٹ بیگ میں رکھے اور اب وہ بازو سینے پر باندھے پورا اس کی طرف مڑ کر کھڑا تھا۔

آپ کو کیا ہے؟ آپ جائیں لاہور۔بریرہ سر جھکائے پیر جُھلاتے بولی۔محسن مسکراہٹ دبائے اس کے برابر آ کر بیٹھ گیا۔

میرا جانا بہت ضروری ہے اور یہ بھی نہیں پتا کہ اب کب واپسی ہو۔تم مجھے اس طرح سے سی آف کرو گی؟ محسن اسے پیار سے سمجھا رہا تھا۔

آپ اتنی جلدی کیوں جا رہے ہیں؟ بریرہ روہانسی ہو گئی۔وہ پتہ نہیں کس بات سے اداس تھی

کیونکہ جانا ضروری ہے۔ محسن نے بیچارگی سے کہا

میں مس کروں گی آپ کو۔بریرہ نے اس کے کندھے پر سر ٹکا دیا۔

یہ کیس ختم ہونے دو پھر لمبے عرصے کے لئے رکوں گا۔وعدہ۔ محسن نے ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا جسے تھام کر وہ اداسی سے مسکرا دی۔

بریرہ سب ہی کی لاڈلی تھی مگر محسن سے اس کی الگ ہی اٹیچمنٹ تھی۔شاید اس لئے کے وہ گھر پر کم ہی ہوتا تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

زندگی محسن کے جانے کے بعد پھر اپنے معمول واپس آ چکی تھی۔شہرام آفس جانے لگا تھا۔سعود اور بریرہ نے بھی کالج جانا شروع کر دیا تھا۔حسنین نے بچوں کے بچپن میں ایک پلاٹ خریدا تھا اب وہ اس پر گھر تعمیر کروا رہے تھے۔ویسے تو وہ تقریباً سارا دن آفس میں ہوتے تھے پھر ویک اینڈ بھی پلاٹ پر گزارتے تھے۔ایسے میں منتحیٰ بالکل اکیلی ہوتی تھی۔

انہیں وہ وقت یاد آتا تھا جب سب اکٹھے رہتے تھے۔تب ان کی اور فاطمہ (وقاص کی بیوی) کی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔اب تو بس فون پر بات ہو جاتی تھی۔

منتحیٰ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی سسرال میں آکر انہوں نے نند کو بہن سمجھ لیا مگر جلد ہی سمجھ آ گیا گھر کی بہو کبھی گھر کی بیٹی کے برابر نہیں ہوتی۔منتحیٰ جب ساس اور نند کے رویے سے تنگ آ جاتی تو اکیلے بیٹھ کر آنسو بہایا کرتی تھی مگر کبھی شکایت نہیں کرتی تھی۔

ایک دن فاطمہ نے انہیں روتے دیکھا تو ان کے پاس آئی اور انہیں تسلی دینے لگی۔فاطمہ سے بات کر کے ان کا دل کافی ہلکا ہو گیا۔اس دن کے بعد سے ان میں دوستی ہو گئی۔وہ دونوں ایک دوسرے کو حوصلہ دیتی ایک دوسرے کا خیال رکھتی تھی۔پھر سسرال سے علیحدگی کے بعد ایسا مصروف ہوئیں کہ تہواروں پر ہی ملتی تھی۔

منتحیٰ نے تنہائی کے خوف سے خود کو گھر میں مصروف کر لیا۔لیکن آج بڑے دنوں کے بعد منتحیٰ کو فاطمہ کی یاد آئی تھی۔وہ کچھ سوچ کر اٹھی اور فون لئے صحن میں آ بیٹھی۔فاطمہ کا نمبر ملایا تو انہوں نے تیسری بیل پر فون اٹھا لیا۔

کیسی ہیں بھابھی؟ منتحیٰ سلام دعا کے بعد اب ان کا حال پوچھ رہی تھی۔

میں ٹھیک نہیں ہوں منتحیٰ۔ان کی آواز میں پریشانی چھلکتی تھی۔

کیوں بھابھی کیا ہوا؟ کوئی مسئلہ ہے کیا؟ منتحیٰ بھی پریشان ہو گئی تھی۔

تمھیں تو پتا ہے کافی عرصے سے اماں جان بیمار ہیں لیکن اماں جان کی طبیعت آج کل زیادہ خراب رہنے لگی ہے تو وقاص آپا اور اماں جان کو یہاں ہمارے گھر لانے کی بات کر رہے ہیں۔فاطمہ شاید کسی سامع کے انتظار میں تھی۔منتحیٰ کے پوچھنے پر دل کی ساری باتیں بتانے لگی۔

مجھے اماں جان سے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے مگر آپا کی زبان۔۔۔تم تو جانتی ہو ناں۔فاطمہ کا گلہ بجا تھا۔

جی مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔منتحیٰ کی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔ان کے زخم پھر ہرے ہونے لگے تھے۔

میں نے یہ بات وقاص سے بھی کی تھی مگر وہ مجھ سے جھگڑا کرنے لگے۔انہیں ان کی بہن اور اماں جان کے آگے کچھ نظر ہی نہیں آتا۔اتنی سخت باتیں انہوں نے آج تک نہیں کہی منتحیٰ۔فاطمہ کی آواز زکام زدہ لگتی تھی۔

حسنین بھائی نے اچھا کیا جو تمھیں ان سے الگ ہی کر دیا۔وہ تمھیں اور بچوں کو ان لوگوں پر ترجیح دیتے ہیں تو ٹھیک ہی کرتے ہیں۔وقاص نے تو آج تک انہیں میرے سر پر سوار کر رکھا ہے۔میرا گھر آج بھی میرا نہیں ہے۔میری اور میری بچیوں کی زندگی کے فیصلے آج بھی ان کی آپا کی مرضی سے ہوتے ہیں۔اب تو فاطمہ باقاعدہ رونے لگی تھی اور منتحیٰ کے پاس ان کو تسلی دینے کے لئے الفاظ نہیں تھے۔

یہ تو پتا نہیں منیزہ نے انہیں کیسے راضی کیا ورنہ یہ تو صاف منع کر رہے تھے منیزہ کو یونیورسٹی میں داخلہ لینے سے۔اور میں جانتی ہوں کہ آپا نے یہ سبق دیا ہو گا انہیں ورنہ پہلے تو انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔نہ خود پڑھیں نہ اپنی بچی کو پڑھنے دیا اب میری بچیوں کا مستقبل تو خراب نہ کریں۔فاطمہ کے دل پر پہاڑ جتنا بوجھ تھا۔منتحیٰ کو اپنی تنہائی بھول گئی تھی وہ بس شل سی بیٹھی فاطمہ کو سن رہی تھیں۔

منتحیٰ میں انہیں یہاں نہیں بلانا چاہتی۔وہ یہاں آئیں گی تو میرے گھر کا ماحول خراب ہو گا۔ان کی عادت ہے ہر بات میں لڑنا جھگڑنا اور میں ہر روز ان سے نہیں لڑ سکتی۔میں کیا کروں؟ منتحیٰ کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ انہیں کیا مشورہ دیں۔پھر ایک خیال آیا۔

بھابھی میں حسنین سے بات کروں شاید وہ کوئی حل نکال لیں اس مسئلے کا۔منتحیٰ ان کی پریشانی میں یہ بھول گئی تھی کہ وہ حسنین کی بھی بہن اور اماں تھی۔

نہیں نہیں تم ان سے کچھ نہ کہنا وہ اپنی اماں اور بہن کے بارے میں سن کر پتا نہیں کیسے ری ایکٹ کریں۔میری وجہ سے تم کیوں اپنے گھر کا ماحول خراب کرتی ہو۔منتحیٰ دانت سے ہونٹ کاٹتی کچھ سوچتی رہیں تبھی فاطمہ بولی۔

اچھا یہ محتاب آ گئی ہے سکول سے۔تم سے بات کرنا چاہ رہی ہے اس سے بات کر لو۔یہ کہہ کر وہ فون محتاب کے ہاتھ میں دے کر اٹھ گئی۔ان دونوں نے کبھی اپنے بچوں کے سامنے بڑوں کی برائی نہیں کی تھی کہ ایسا کرنے سے بچوں کے دل سے بڑوں کا ادب ختم ہو جاتا ہے۔

اسلام علیکم چاچی کیسی ہیں آپ؟ آپ کو ہم یاد نہیں آتے؟ آپ تو کال ہی نہیں کرتی۔آپ کو پتا ہے میں اور آپی کتنی دفع ابو کو کہہ چکے ہیں کہ آپ سے اور چاچو سے ملنا ہے مگر نہ ابو کے پاس ٹائم ہے نہ آپ لوگوں کے پاس۔محتاب نے سارے گلے ایک سانس میں کر ڈالے تھے۔

اچھا اچھا سانس تو لو۔منتہیٰ نے اس ٹوکا تو اس کی زبان کو بریک لگا۔

مجھے تم، بھابھی، منیزہ سب بہت یاد آتے ہو۔بس مصروفیات ہی اتنی ہیں کیا کروں؟ منتہیٰ کہہ کر خاموش ہوئی تو وہ پھر سے بولنے لگی۔

آپ لوگ ہم سے ملنے کب آئیں گے؟ میرا اتنا دل چاہتا ہے آپ سے ملنے کو پر آپ لوگ آتے ہی نہیں اور ابو تو بس ہر وقت غصے میں رہتے ہیں۔آپ کو یاد ہے جب میں نے پوزیشن لی تھی۔ہم سب باہر کھانا کھانے گئے تھے کتنا مزہ آیا تھا۔مجھے وہ دن بہت یاد آتے ہیں۔میں آپ سب کو اتنا مس کرتی ہوں چاچی۔وہ منتہیٰ کو بولنے کا موقع دئے بغیر بولتی گئی اور منتہیٰ بھی خاموشی سے مسکراتے

ہوئے اسے سنتی گئی۔اس کی آواز میں مان تھا، محبت تھی، اور منتہیٰ کو یہ سب اچھا لگ رہا تھا۔بہت دنوں بعد منتہیٰ کو ان کی کمی دوبارہ محسوس ہونے لگی تھی۔

اچھا یہ منیزہ کہاں ہے؟ اس سے بات نہیں کرواؤ گی؟ منتہیٰ نے پوچھا تبھی منیزہ نے فون محتاب کے ہاتھ سے لے کر کان سے لگایا۔

منیزہ تو یہیں ہے آپ آج کل کہاں ہوتی ہیں؟ منیزہ نے مسکراتے ہوئے شرارت سے کہا۔

میں نے کہاں ہونا ہے بچے، یہیں ہوں۔منتہیٰ بھی اس کی آواز سن کر مسکرا دی۔

کیسی جا رہی ہے یونیورسٹی؟ منتہیٰ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔اب تنہائی کا احساس زرا کم ہو گیا تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

حسنین ہاؤس کے اوپر والے پورشن کو دو طرف سے سیڑھیاں جاتی تھی ایک گھر کے مین گیٹ کے دائیں جانب سے اور دوسری گھر کے اندر کچن کے پیچھے بنے چھوٹے سے برآمدے سے۔مین گیٹ والی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاؤ تو سامنے ایک چھوٹی سی بالکونی تھی۔اس بالکونی کی دو دیواروں میں دروازے تھے۔اور سامنے سٹیل کی گریل تھی۔ایک دروازہ سامنے والی دیوار پر تھا اور دوسرا اس کی دائیں طرف کی دیوار میں۔دائیں طرف کے دروازے کے پیچھے گیسٹ روم تھا جہاں ان مہمانوں کو بٹھایا جاتا جن کا گھر کے اندر آنا نامناسب ہو مثلاً گھر کے مردوں کے دوست۔اس طرح ان مہمانوں کو مین گیٹ سے اوپر لے جانا اور گھر میں پرائیویسی کا خیال رکھنا آسان تھا۔

سامنے والے دروازے کے پیچھے لِونگ روم تھا، ایک طرف اوپن کچن تھا۔کچن کے بائیں طرف دو کمرے تھے جن میں ایک کمرہ سعود کا تھا اور دوسرا بریرہ کا۔اور کچن کی پیچھلی دیوار میں ایک دروازہ تھا جس کے پیچھے سیڑھیاں تھی۔اب سیڑھیوں سے نیچے جاؤ تو نیچے کچن کے پیچھے ایک چھوٹا سا برآمدہ بنا تھا۔اس برآمدے میں دائیں جانب لکڑی کی چھوٹی چھوٹی تین شیلفیں تکون صورت دو دیواروں میں نصب تھیں۔ان شیلفوں پر چھوٹے چھوٹے گملے رکھے تھے۔کسی میں پودینا لگا رکھا تھا کسی میں دھنیا اور بھی ایسی ہی جڑی بوٹیاں لگی ہوئی تھی۔برآمدے کے درمیان میں پلاسٹک کا ٹیبل اور چھ

کرسیاں رکھی تھی اوپر کھلا آسمان نظر آتا تھا اور بائیں جانب گھر کی باؤنڈری وال تھی- سیڑھیوں کے سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ تھا جو کچن میں کھلتا تھا۔

اس دروازے کو کھول کر بریرہ رف سے حلیے میں نیچے آئی تھی۔آنکھیں ملتی وہ لِونگ روم میں آئی تو سامنے صوفے پر منتحیٰ بیٹھی تھی اور ان کے ساتھ۔۔۔۔

بریرہ کی ساری نیند بھک سے اڑی تھی۔وہ چیختی اچھلتی صوفے تک پہنچی۔اور اس کے گلے لگی اس نے بھی اپنے بازو بریرہ کی کمر کے گرد حائل کئے۔بریرہ جب بہت دیر تک پیچھے نہیں ہٹیں تو مجبوراً اس کو بریرہ کے بازو ہٹانے پڑے۔

کیسی ہیں آپی؟ کب آئی؟ مجھے کیوں نہیں بتایا؟ بچے کہاں ہیں؟رہنے آئی ہیں؟ کتنے دن رکیں گی؟ بتائیں ناں چپ کیوں ہیں؟ کَنزہ شادی کے بعد کراچی چلی گئی تھی اور مہینوں بعد آیا کرتی تھی۔اب بھی چھ ماہ بعد آئی تھی تو بریرہ کچھ زیادہ ہی ایکسائیٹڈ تھی۔

مجھے بولنے تو دو سب بتاتی ہوں۔کّنزہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اسے تھمنے کا اشارہ کیا۔اور صوفے پر بیٹھ کر بتانے لگی۔

میں بالکل ٹھیک ہوں۔آج صبح آئی ہوں۔تمھیں اس لئے نہیں بتایا کیونکہ سرپرائز دینا تھا اور بچے تمھارا انتظار کرتے کرتے سو گئے ہیں۔اور ہاں میں پورے ایک مہینے کے لئے آئی ہوں۔سلیمان اپنے کام کے لئے دبئ گئے ہیں ان کو وہاں ایک مہینہ لگے گا تو ممی نے کہا تم تب تک اپنے میکے ہو آؤ۔

کَنزہ کے دو بچے تھے بڑا بیٹا زاویار چار سال کا تھا اگلے سال سے اس نے سکول جانا تھا اور چھوٹی بیٹی علینہ دو سال کی تھی۔علینہ تو چھوٹی تھی مگر زاویار ویڈیو کال پر بریرہ سے بات کرتا تھا اس لئے اس اٹیچ ہونے لگا تھا اور اکثر اس کا پوچھا کرتا تھا۔

ناشتہ کر لیا؟ بریرہ نے صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے پوچھا۔

سات بجے ہی کر لیا تھا اب دو بج رہے ہیں۔کَنزہ نے جواب میں گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔

اتنی جلدی ناشتہ کون کرتا ہے؟ بریرہ نے منہ بنایا۔

ناشتہ صبح ہی ہوتا ہے۔اس وقت تو لوگ عموماً لنچ کرتے ہیں۔منتحیٰ نے اس کے دیر سے اٹھنے پر اس ٹہوکا دیا۔

سارا ہفتہ صبح چھ بجے اٹھتی ہوں بس ویک اینڈ پر زرا دیر تک سوتی ہوں، اس میں بھی آپ ڈانٹتی ہیں۔اب اتنا تو میرا حق ہے۔بریرہ اسی طرح بیٹھی بتانے لگی۔

کس خوشی میں ؟ منتحیٰ کا لہجہ نرم مگر انداز طنزیہ تھا۔

آپ کی اور بابا کی خواہش پر ڈاکٹر بن رہی ہوں اس خوشی میں۔بریرہ نے بھی اسی انداز میں جواب دیا اور اٹھ کر
واشروم کی طرف بڑھی۔

تمھارا ٹوتھ برش اوپر ہے۔منتحیٰ نے اسے ٹوکا۔

دانت ناشتے کے بعد صاف کرتے ہیں۔اس نے مڑے بغیر جواب دیا اور واش روم میں گھس گئی۔

اس کو میڈیکل میں ڈال کر غلطی کر دی۔منتحیٰ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی اور کچن کی طرف چلی گئی۔انہیں بریرہ کے لئے ناشتہ بنانا تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

محسن ایک پرانی ٹوٹی پھوٹی عمارت کے سامنے کھڑا تھا۔یہ عمارت کبھی گیراج ہوتا تھا، جو اب بند پڑا تھا۔اس نے دروازہ دھکیلا تو وہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلتا گیا۔سامنے والی دیوار میں دو کھڑکیاں تھی جن پر پرانا اخبار لگا رکھا تھا۔اس اخبار میں کہیں کہیں سوراخ تھے جن سے چھن کر روشنی اندر آ رہی تھی۔سامنے ایک ٹیبل اور چار کرسیاں پڑی تھی۔ٹیبل پر چند کاغذات اور تصاویر بکھری پڑی تھیں۔

درمیان میں شاہ نواز عالم بیٹھا تھا، اس کے ایک طرف زوہا سہیل اور دوسری طرف عالیان حیدر تھا۔ وہ تینوں ان تصاویر اور فائلز پر جھکے بیٹھے تھے۔

محسن اور شاہ نواز دس سال سے دوست تھے۔شاہ نواز سائبر سیکیورٹی میں تھا۔محسن نے پولیس فورس اسی کے پیچھے جوائن کی تھی۔

شاہ۔محسن نے قریب آ کر اسے پکارا تو اس نے سر اٹھایا اور پھر سر واپس جھکا کر "تو لیٹ ہے" کہہ کر تصاویر کو دیکھنے لگا۔

محسن نے کرسی پر بیٹھتے سینڈوچز کا ڈبہ ٹیبل پر رکھا اور کافی کا ٹیک اووے کپ اس کی طرف بڑھایا۔ شاہ نواز کسی کام میں جٹ جاتا تو ختم کر کہ دم لیتا تھا اور اس دوران اسے کھانے پینے کا ہوش نہیں رہتا تھا۔

تو کچھ مس کر گیا ہے؟ محسن نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

ہاں مس تو ہوا ہے۔میں بیچ کا بندہ مس کر گیا ہوں۔ان سب کو جوڑنے والا برِج۔شاہ نے اسی طرح مصروف انداز میں کہا۔وہ لوگ پچھلے تین سال سے اس کیس پر کام کر رہے تھے لیکن اس گروہ کہ سربراہ تک نہیں پہنچ پائے تھے جو ڈرگ ڈیلنگ اور لڑکیوں کی سمگلنگ کرتا تھا۔

اسے دوبارہ چیک کر۔محسن نے ایک تصویر اٹھائی اور اس کے سامنے اچھالی۔

میں اس پر مستقل نظر رکھے ہوئے ہوں۔امتیاز بیگ۔۔۔اس کی آٹو ریپیئر شاپ ہے۔دو بیٹیاں ہیں بیوی کو کینسر ہے اسکا علاج چل رہا ہے۔پیسے کہاں سے آرہے ہیں وہ سمجھ نہیں آ رہا۔شاہنواز نے اسے انفارمیشن دی۔

اس شخص کو مت ڈھونڈ جو اسے پیسے دے رہا ہے۔وہ اس سے ڈائیریکٹ کانٹیکٹ میں نہیں ہے۔پیسے پہنچانے والا کوئی تیسرا شخص ہے۔محسن نے سینڈوچ کھاتے ہوئے کہا۔محسن جتنا بے فکر تھا شاہ کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

اور تو جانتا ہے کہ وہ کون ہے۔ہے ناں؟ شاہ نواز اب کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کے بیٹھا تھا۔

میں نے اسے اس لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا۔وہ اس کی فیملی نہیں ہے اور اس کی اوقات سے بہت باہر ہے تو گرل گرینڈ تو نہیں ہو سکتی۔یہ لڑکی کون ہے؟ اس کی کیا لگتی ہے سب پتا کر۔محسن نے ایک لڑکی کی تصویر اس کے سامنے رکھی۔

کہاں دیکھا تھا؟ شاہ نواز نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

دیکھا تھا کہیں۔محسن نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

کہاں؟ شاہ نے اس دفعہ زور دے کر پوچھا۔محسن خاموش رہا۔

تو اس کا پیچھا کر رہا ہے؟ محسن وہ الرٹ ہو جائے گا یار۔شاہ نواز باقائدہ منت کرنے لگا تھا۔

تو کیا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤں؟ میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔محسن زچ ہوا تھا۔

سر کے واپس آنے کا انتظار کر لے بھائی اور جلد بازی نہیں کر سب خراب ہو جائے گا۔شاہ نواز نے اس کو سمجھانا چاہا۔

کب آئیں گے وہ واپس؟ محسن اکتا گیا تھا۔

اگلے مہینے سر۔زوہا نے کہا۔محسن نے زوہا کی طرف دیکھا تو ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔

محسن کے علاوہ ساری ٹیم شاہ کے آفس میں جمع تھی۔محسن ہمیشہ کی طرح فیشن ایبلی لیٹ تھا۔وہ جب اندر آیا تو زوہا دیوار کی طرف رخ کئے کھڑی تھی۔محسن ادھر ہی چلا آیا۔زوہا کسی سے فون پر سر گوشی میں بات کر رہی تھی۔محسن دیوار کی اوٹ میں ہو کر سننے لگا۔

ابھی تک کوئی اپڈیٹ نہیں ہے۔جب کچھ ہو گا تو بتا دوں گی۔مجھے بار بار کال کرنا بند کرو۔اسے مجھ پر شک ہو جائے گا۔زوہا غصے میں فون بند کر کے پلٹی تب تک محسن پلٹ کر جا چکا تھا۔

محسن نے سر گھمایا تو نظر ٹیبل پر پڑی تصاویر پر پڑی۔امتیاز بیگ کی تصویر کے نیچے ایک اور تصویر پڑی تھی۔اس تصویر میں ایک آدمی کا آدھا چہرے نظر آ رہا تھا۔نیلی آنکھیں، ناک کا کچھ حصہ اور بائیاں گال۔محسن پوری تصویر دیکھے بغیر بھی اسے پہچان گیا تھا۔یہ طاہر خلیل تھا۔محسن کی نظر اس تصویر پر تھی لیکن ذہن کہیں اور تھا۔

طاہر ایک فارمیسی میں کام کرتا تھا۔اس نے اس فارمیسی کے مالک کی ڈرگ ڈیلنگ کی مخبری پولیس سے کی تھی۔پولیس نے اس فارمیسی کے مالک کو پکڑ بھی لیا تھا لیکن وہ بے گناہ ثابت ہوا۔کچھ عرصے بعد طاہر کو پولیس نے ایک ریڈ لائٹ ایریا کی ریڈ میں گرفتار کیا تھا۔اس کے لڑکیوں کی خرید و فروخت میں ملوث ہونے کا سب کو پتا تھا مگر کوئی ثبوت نہیں تھا۔اس لئے اسے چھوڑنا پڑا مگر محسن نے ہار نہیں مانی تھی۔محسن اب بھی مطمئن نہیں تھا۔اسے کچھ اور کرنا تھا کچھ بڑا، لیکن کیا؟

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

شہاب رائفل کندھے پر جمائے ایک آنکھ بند کئے نشانہ باندھے بیٹھا تھا۔اس نے جیسے ہی گولی چلائی دور درخت پر بیٹھا پرندا نیچے گرا شہاب نے اپنے شکاری کتے کو پکارا "لوسیفر"۔

لوسیفر بھاگ کر گیا اور اس پرندے کو منہ میں دبائے اس کے پاس لے آیا۔شہاب نے اس کا سر سہلایا اور پرندہ ہاتھ میں لئے سعود اور حمزہ تک آیا۔انہیں فاتحانہ انداز میں اپنی کارکردگی دیکھائی اور پھر وہ پرندہ باقی پرندوں کے ڈھیر پر رکھ کر آگے آیا۔

شہاب بہت عرصے سے ان دونوں کو اپنے گاؤں لے جانا چاہتا تھا۔اسے اپنے دوستوں کو اپنی فیملی سے ملوانا تھا لیکن ہر دفعہ ان دونوں میں سے کسی کی کوئی نہ کوئی مصروفیت نکل آتی تھی۔اس دفعہ شہاب

ان کو زبردستی لے آیا تھا۔وہ لوگ جمعے کی رات کو یہاں پہنچے تھے سفر لمبا تھا، سعود اور حمزہ بری طرح تھک گئے تھے۔وہ لوگ راستے میں ہی سوتے ہوئے آئے تھے۔اور شہاب ان کو سارا راستہ بکتا جھکتا آیا تھا۔

شہاب کی فیملی سے ملنے کے بعد اب وہ تینوں صبح ہی صبح شکار پر نکل آئے تھے۔اعجاز ملک نے شہاب کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی دو گارڈز اور اپنے خاص ملازم جواد کو اس کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ جواد ان سے عمر میں کوئی پانچ چھ سال ہی بڑا تھا۔

شہاب اب تک ان پرندوں کا ڈھیر جمع کر چکا تھا جنہیں رات میں باربی کیو کرنا تھا۔اب وہ پھر سے نشانہ باندھ رہا تھا۔ تبھی حمزہ نے اسے پکارا۔

بس بہت جمع ہو گئے نا اب واپس چلتے ہیں۔حمزہ اب تھک چکا تھا۔ہاں یار بس ہو گیا شکار۔سعود نے بھی حمزہ کی حمایت کی۔

وہ تینوں صبح صادق پر گھر سے نکلے تھے اور اب سورج سر پر تھا۔شہاب نے دونوں کی شکلیں دیکھی وہ دونوں واقعی تھکے ہوئے لگتے تھے۔اس نے ایک نظر پرندوں کو دیکھا۔

اس سے ویسے بنے گا کچھ نہیں۔شہاب مایوسی سے کہتا گن اٹھائے آگے بڑھ گیا۔

بھائی جتنا بھی بنے گا نا ہم اتنے میں ہی صبر شکر کر لیں گے۔تو بس اب گھر چل۔میری ٹانگیں جواب دے گئیں ہیں یار۔حمزہ رو دینے کو تھا۔

اچھا چلو۔شہاب نے اپنے ساتھ آئے اپنے خاص ملازم جنید کو اشارہ کیا۔وہ گارڈز کے ساتھ مل کر سب سمیٹنے لگا۔

مغرب کے بعد وہ تینوں واپس حویلی پہنچے تھے۔اب وہ صحن میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔سامنے باربی کیو گرل پڑا تھا اس میں کوئلے دہک رہے تھے اور اس کا سارا دھواں حمزہ کے منہ پر آ رہا تھا۔حمزہ تین دفعہ اپنی جگہ بدل چکا تھا مگر دھواں بار بار اسی کی طرف آتا تھا۔اب حمزہ نے ہار مان لی تھی۔

تیری قسمت ہی خراب ہے بھائی۔شہاب اور سعود اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔

مجھ مظلوم کا مذاق اڑا رہے ہو نا تم لوگ۔تم دونوں کو میری ہائے لگے گی۔حمزہ تپا بیٹھا تھا۔

ہاں بھئی کھسروں کی بددعا سے تو بچنا چاہیئے۔سعود نے ہنس کر شہاب ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ جواب میں شہاب کا قہقہہ بلند ہوا۔

حمزہ ان دونوں پر لعنت بھیج کر چائے پینے لگا۔وہ دونوں اب پھر کسی بات پر ہنس رہے تھے۔اور حمزہ ہنوز منہ بنائے بیٹھا تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

ویک اینڈ گزر چکا تھا۔سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں دوبارہ مصروف ہو چکے تھے۔ایسے میں گھر دوبارہ خالی خالی سا ہو گیا تھا مگر کنزہ کہ آ جانے تنہائی اس طرح محسوس نہیں ہوتی تھی جس طرح پہلے ہوا کرتا تھی۔کنزہ لِونگ روم کے صوفے پر پیر اوپر کر کہ بیٹھی تھی۔وہ مسلسل چینل بدلتی ابھی ایک چینل پر رکی ہی تھی کہ منتحیٰ اس کے پاس آ بیٹھی۔ان کے ہاتھ میں مٹروں کا شاپر اور ایک خالی برتن تھا۔

ایک بات بتاؤں؟ منتحیٰ کہنے لگی۔ساتھ ساتھ وہ سر جھکائے مٹر چھیل رہی تھیں۔کنزہ نے ٹی وی کی آواز بند کر دی اور رخ منتحیٰ کی طرف موڑ کے بیٹھ گئی۔

کل صدف باجی کی کال آئی تھی۔وہ بتا رہی تھیں کہ وہ لوگ اب یہیں اسلام آباد میں شفٹ ہو رہے ہیں۔زوہیب اور حدید کہتے ہیں کہ بس بہت رہ لیا انگلینڈ میں، اب پاکستان میں ہی سیٹل ہوں گے۔ صحیح کہتے ہیں لوگ، اپنا ملک تو اپنا ہی ہوتا ہے۔باہر کے ممالک بس دور سے اچھے لگتے ہیں۔وہ کہتے ہیں ناں دور کے ڈھول سہانے۔میں سوچ رہی تھی ان کو دعوت پر بلا لوں۔منتحیٰ سر جھکائے کہے جا رہی تھی۔

زرا جو وہ کنزہ کا چہرا دیکھ لیتی تو حیران رہ جاتی۔اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔کنزہ گہری سانس کھینچتی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔وہ چاہ کر بھی منتحیٰ کو بتا نہیں سکی کہ ان کا دعوت پر آنا ایک طوفان ساتھ لے کر آئے گا اور منتحیٰ اس طوفان سے بے خبر تھی۔

تمھیں پتا ہے کنزہ میں تو باجی سے اتنی اٹیچڈ تھی روز رات کو ان سے کہانی سن کے سوتی تھی۔ایسا لگتا ہے کہ کل کی بات ہے جب ہم سب بچے تھے اور اکٹھے کھیلا کرتے تھے اور اب دیکھو اپنے بچے ہو گئے ہیں۔وقت بھی کتنی جلدی گزر جاتا ہے۔منتحیٰ کہہ رہے تھی۔

تبھی بیل بجی۔منتحیٰ "میں دیکھتی ہوں" کہہ کر اٹھ گئی۔

جب وہ واپس آئی تو ان کے ساتھ بریرہ تھی۔وہ کالج سے تھکی تھکی سی آئی تھی اور آتے ہی صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔اس نے چہرہ موڑ کہ دیکھا تو کنزہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔بریرہ کے دیکھنے پر گڑبڑا کر اس نے چہرہ موڑ لیا۔منتحیٰ کو دیکھ کر اسے خوف گزرا کہ وہ بریرہ کہ سامنے بات نہ کر دیں۔

بیا تم چینج کر لو پھر چائے پیتے ہیں۔کنزہ نے اسے وہاں سے بھیجنے کو بات بنائی۔چائے ؟اس وقت؟ بریرہ نے سوچا مگر بولی نہیں۔وہ الجھی ہوئی وہاں سے اٹھ کر اوپر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

کنزہ کو یہاں آئے دوسرا ہفتہ ختم ہو چکا تھا۔دو ہفتے تو وقت کا پتا ہی نہیں چلا تھا مگر اب کنزہ ہوم سک ہو رہی تھی۔کنزہ بور ہوتی ہوئی کچن میں آ کھڑی ہوئی۔اس نے منتحیٰ کا داخلہ آج کچن میں یہ

کہہ کر بند کر دیا تھا کہ "جب سے آئی ہوں آپ نے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔اب بس آپ آرام کریں آج گھر میرے حوالے"۔

سارے کام بھی ہو گئے، ماما بھی سو رہی ہیں اب کیا کروں؟ کنزہ بڑبڑاتے ہوئے کچن میں آ گئی۔کنزہ اکثر خود کلامی کرنے لگتی تھی۔

کیا بن رہا ہے؟ سعود نے اسے کچن میں دیکھ کر پوچھا۔کنزہ اس کی آواز پر چونک کر مڑی، آنکھوں میں شرارت چمکی تھی کنزہ نے فوراً مسکراہٹ دبائی اور تاثرات سنجیدہ کر لئے۔اسے دیکھ کر تو ویسے ہی سب کو شرارتیں سوجھنے لگتی تھی اور وہ معصوم ہر دفعہ ان کے ہاتھوں بےوقوف بن جاتا تھا۔

وہ اوپن کچن کے کاؤنٹر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھڑا مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔کنزہ بھی اس کی طرف آئی موبائل سائیڈ پر رکھ کر اسے دیکھا۔پھر چہرے پر بڑی بہنوں والی ممتا بھری محبت سجا لی۔

تمھارا پسندیدہ قورمہ بنایا ہے۔سعود کے منہ میں پانی آ گیا۔ارے واہ! وہ ایکسائیٹڈ سا مسکراتا ہوا چولہے کی طرف بھاگا پتیلی کا ڈھکن اٹھایا اور۔۔۔اس کی مسکراہٹ ناراضی میں بدلی۔کنزہ ہنوز مسکراہٹ دبائے رخ موڑ کر کھڑی تھی۔

اچھا نہیں کیا آپ نے۔وہ کنزہ کو گھورتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

کنزہ ہنستے ہوئے چولہے کی طرف آئی اور پتیلی میں جھانکا وہاں کدو دال کا سالن بنا پڑا تھا۔سعود کو تنگ کر کے تھوڑی دیر کے لئے ہی صحیح مگر موڈ فریش ضرور ہو گیا تھا۔کنزہ نے پتیلی کا ڈھکن واپس رکھا اور کچن سے باہر آ گئی۔ابھی اس ناراض حسینہ کو منانا بھی تو تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

ایک ہفتہ اور گزر گیا۔کالجز میں امتحانات کا وقت قریب آ گیا تھا۔آج کل بریرہ کے کالج میں پریکٹیکل چل رہے تھے۔آج بھی ایسا ہی ایک دن تھا۔بریرہ گھر آئی تو کنزہ اور منتحیٰ کھانا لگا رہی تھیں اور شہرام ڈائننگ ہال میں ٹیبل پر بیٹھا تھا۔بریرہ اس کے پاس آ کر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

آپ اس وقت گھر پر ہیں۔خیریت ہے؟ بریرہ کو حیرت ہوئی تھی کیونکہ شہرام کبھی آفس سے چھٹی نہیں کرتا تھا۔ان سب کے ہزار دفعہ کہنے کے باوجود بھی نہیں۔

ہاں بس آج طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی تو ہاف ڈے لے لیا۔شہرام نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

آپ کی بھی طبیعت خراب ہوتی ہے۔؟ انٹرسٹنگ۔بریرہ نے طنزیا مسکرا کر کہا۔

کیوں میڈم میری طبیعت خراب کیوں نہیں ہو سکتی میں آپکو انسان نہیں لگتا کیا؟ شہرام نے بھی اسی کے انداز میں پوچھا۔

کس لحاظ سے پوچھ رہے ہیں؟ شکل سے یا حرکتوں سے؟ بریرہ آج موڈ میں تھی۔

آپ دونوں لحاظ سے بتا دیں۔شہرام کو اس تکرار میں مزہ آ رہا تھا۔بریرہ اور شہرام میں تیرہ سال کا فرق تھا۔شہرام کے لئے وہ چھوٹی بچی تھی، وہ اس کی کسی بات کا برا نہیں مانتا تھا اسی لئے بریرہ بڑے آرام سے اس سے مذاق کر لیتی تھی۔

شکل سے انسان لگتے ہیں اور حرکتوں سے بالکل روبوٹ۔بریرہ نے بڑی مشکل سے ہنسی روک رکھی تھی۔

بڑے بھائی سے ایسے بارے کرتے ہیں؟ شرم نہیں آتی؟ شہرام نے مصنوعی غصہ دکھاتے ہوئے کہا۔

نہیں۔میں بہت بے شرم ہوں۔انفیکٹ میں تو پیدا بھی ننگی ہوئی تھی۔بریرہ نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔شہرام کو پانی پیتے پیتے اچھوکا لگا تھا اور اب ہنسی روکنے کی کوشش میں کھانس رہا تھا۔بریرہ بھی اسے دیکھتے ہوئے ہنس رہی تھی۔تبھی سعود سوتی جاگتی سی کیفیت میں وہاں آ بیٹھا۔

کیا ہے آج کھانے میں؟ سعود نے سلاد کی پلیٹ سے کھیرا اٹھا کے منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔اس کی آواز نیند سے بوجھل تھیں۔اور بھوری کانچ سی آنکھیں سوجی سوجی سی لگتی تھی۔

تبھی کنزہ ایک چھوٹا سے ڈونگا اٹھا کر لائی اور سعود کے سامنے رکھا۔سعود نے ڈھکن اٹھایا تو اس میں قورمہ تھا۔سعود نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

جائیں یار معاف کیا آپ بھی کیا یاد کریں گی کسی سخی انسان سے واسطہ پڑا تھا۔سعود نے احسان جتایا۔ کنزہ بھی ہنس کر پلٹ گئی۔

بریرہ گردن ٹیڑھی کر کے ڈونگے میں ہی دیکھ رہی تھی اس کے منہ میں پانی آگیا۔اس نے اپنے سامنے پڑے ڈونگوں میں جھانکا وہاں ایک ڈونگے میں سبزی پڑی تھی اور دوسرے میں دال تھی۔اس نے منہ بنا کر سعود کو دیکھا تو سعود نے تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ گردن نفی میں ہلائی۔اور لیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔

ایک بات بتاؤں سعود؟ بریرہ کو اچانک کچھ یاد آیا تھا۔

سعود نے ،جو اتنی دیر میں ایک نوالہ اپنے میں رکھ چکا تھا، نوالہ چباتے اس کی طرف دیکھا اور سوالیہ انداز میں آبرو اٹھائے۔

آج ہم ایکسپیریمنٹ (experiment) کر رہے تھے۔ہم نے نا لیب میں ایک مینڈک کو ڈائسیکٹ (disect) کیا۔سعود نے دوسرا نوالہ منہ میں رکھا۔

بالکل ایسا دکھ رہا تھا وہ بھی۔بریرہ نے پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔سعود کا چلتا ہوا منہ رکا۔اس نے گردن سیدھی کر کے پلیٹ کو دیکھا۔اسے ایک دم ابکائی آنے لگی وہ منہ پر ہاتھ رکھتا ہوا اٹھا اور واشروم کی طرف بھاگا۔

بریرہ نے "تھینک یو" کہتے ہوئے اس کی پلیٹ اپنے سامنے کھسکائی اور مزے سے کھانے لگی جبکہ اسے اپنے پیچھے منتحیٰ کی ڈانٹ اور کنزہ اور شہرام کے قہقہے بیک وقت سنائی دئے۔اس نے پروہ کئے بغیر کنزہ کو داد دی اور سر جھکا کر دوبارہ کھانے لگی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

کل کنزہ کو واپس جانا تھا۔یہ بات منتحیٰ کے ساتھ ساتھ بریرہ کو بھی اداس کر گئی تھی۔وہ وین میں یہی سوچتی آئی تھی۔اب جب گھر میں داخل ہوئی تب بھی دل اداس تھا۔

بریرہ اداس اداس سی اندر آئی لِونگ روم خالی تھا۔دونوں کمروں کے دروازے کھلے تھے۔ایک کمرہ حسنین اور منتحیٰ کا تھا اور دوسرا شہرام کا اس نے دونوں کمروں کے کھلے دروازوں سے جھانک لیا۔کمرے خالی تھے اور کچن اوپن تھا تو کچن میں جھانکنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

سب کہاں ہیں؟ وہ یہی سوچتے ہوئے گیسٹ روم کی طرف آئی لیکن دروازے کھولتے ہی قدم زنجیر ہو گئے۔سامنے بڑا صوفہ تھا جس منتحیٰ اور صدف آنٹی بیٹھی تھیں۔سامنے پڑے سنگل صوفوں میں ایک پر زوہیب تھا اور دوسرے پر حدید تھا۔دروازے کے سامنے بڑے صوفے کے قریب ڈائننگ ٹیبل کی چیئر پر کنزہ بیٹھی تھی۔

ارے بیا آؤ بچے۔صدف آنٹی نے اپنے مخصوص لہجے میں مسکراتے ہوئے اسے اپنے پاس بلایا۔صدف آنٹی کی آواز پر زوہیب اور حدید نے پلٹ کر بریرہ کو دیکھا اور مسکرا دئے۔معنی خیز مسکراہٹ۔بریرہ کا معدہ الٹنے لگا۔وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر دوہری ہوتی شہرام کے کمرے کی طرف بھاگی۔منتحیٰ اس کو آوازیں دیتی اٹھی مگر کنزہ نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر انہیں روکا اور "میں دیکھتی ہوں آپ بیٹھیں" کہہ کر بریرہ کے پیچھے آئی۔

کنزہ شہرام کے کمرے میں آئی تو بریرہ واشروم میں سنک پر جھکی قے کر رہی تھی۔کنزہ اس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔اس کے بال سمیٹ کر ہاتھ میں پکڑے اور اس کی کمر سہلانے لگی۔

تقریباً پانچ منٹ بعد بریرہ کا معدہ خالی ہو چکا تھا اور اب وہ شہرام کے بیڈ پر بیٹھی تھی۔کنزہ اسکے ساتھ بیٹھی اس کے کندھے کے گرد بازو حائل کیا اور اس کا بازو سہلانے لگی۔بریرہ بری طرح کانپ رہی تھی جیسے کسی نے اسے برف کے ڈھیر میں بیٹھا دیا ہو۔کنزہ بار بار اس سے پوچھ رہی تھی "تم ٹھیک ہو؟"

بالآخر بریرہ نے گردن گھما کر کنزہ کو دیکھا۔اس کی بھوری شہد رنگ آنکھیں شدتِ ضبط سے سرخ تھیں۔سانس تیز چل رہی تھی۔وہ ہنوز کانپ رہی تھی۔

میں ٹھیک ہو سکتی ہوں؟ بریرہ کے ایک جملے نے کنزہ کو لا جواب کر دیا تھا۔کچھ دیر خاموشی رہی۔اتنی لمبی کے کنزہ کو لگا وہ اب کچھ نہیں بولے گی۔

وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟ پھر سے کیوں؟ بریرہ بہت دیر بعد بولی تھی اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ کنزہ بامشکل سن پائی تھی۔اسی لمحے پریشان سی منتحیٰ کمرے میں آئیں۔

کیا ہوا بیا، تم ٹھیک ہو؟ منتحیٰ اس کے سامنے کھڑی اس کی پیشانی اور گلے کو چھو کر ٹیمپریچر چیک کر رہی تھیں۔بریرہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

کیفے سے کچھ کھا لیا تھا اس نے ماما، بس معدے میں درد ہے اس کے۔بریرہ سے جواب نہ بنا تو کنزہ نے کہا۔اسی لمحے بریرہ نے سر اٹھا کر کی منتحیٰ کو دیکھا۔

تمھیں کچھ لا دوں؟ قہوہ؟ کوئی میڈیسن؟ منتحیٰ کو فکر لگ گئی تھی۔میں قہوہ لاتی ہوں، تم پی کر آرام کر لینا۔منتحیٰ کچن کی طرف جانے لگی۔

ماما میں بنا دیتی ہوں۔آپ مہمانوں کو اٹینڈ کر لیں وہ۔اکیلے بیٹھے ہیں نا اچھا نہیں لگتا۔کنزہ نے انہیں روک لیا۔منتحیٰ نے ایک نظر پریشان بیٹھی بریرہ کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلا کر گیسٹ روم میں چلی گئیں۔

کنزہ بریرہ کی طرف مڑی وہ کچھ کہنے لگی۔جب بریرہ بولی "میں سونا چاہتی ہوں"۔یہ کہہ کر وہ لیٹ گئی اس نے اپنے بازو اپنے گرد لپیٹ لئے تھے۔ٹانگیں سکیڑ کر سینے سے لگا لی وہ اب بھی کانپ رہی

تھی کنزہ نے کمبل اس کے اوپر ڈالا اور لائٹ بند کر کے باہر چلی گئی۔بریرہ کمبل میں بھی کانپ رہی تھی۔لیٹے لیٹے کب اس کو نیند آ گئی اسے اندازہ بھی نہ ہوا۔

oooooooooooooooooooooooo

چاروں طرف اندھیرا تھا اور وہ اس اندھیرے میں بھاگ رہی تھی۔وہ بھاگ بھاگ کر تھک گئی تھی لیکن کہیں پہنچ نہیں پا رہی تھی۔اس کو اپنے پیچھے کسی کے ہنسنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھی۔وہ ان آوازوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔اس کا سانس اکھڑنے لگا وہ رو رہی تھی بلک بلک کر، پھوٹ پھوٹ کر کسی چھوٹے بچے کی طرح۔بے بسی، خوف، اضطراب کیا تھا جو اس نے اس لمحے محسوس نہ کیا ہو۔وہ منتیں کرنے لگی "پلیز میرا پیچھا چھوڑ دو"۔وہ بدحواسی کے عالم میں ادھر اُدھر دیکھتی بھاگ رہی تھی مگر آواز کی سمت معلوم کرنا ناممکن تھا کیونکہ آوازیں اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھیں۔وہ کانوں پر ہاتھ رکھے بھاگ رہی تھی تبھی کسی چیز سے اسکا پیر ٹکرایا۔

بریرہ اک دم اٹھ بیٹھی۔وہ خوف کے زیرِ اثر کانپ رہی تھی۔سانس چڑھی ہوئی تھی اور دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ اب سینے میں درد ہونے لگا تھا۔اس نے ہاتھ کی پشت سے پسینے سے تر پیشانی صاف کی اور اپنے ارد گرد نظر دوڑائی وہ کمرے میں تھی۔وہ ٹھیک تھی۔ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔اس

نے بیڈ پر دیکھا تو اس کے اور کنزہ کے درمیان زاویار سو رہا تھا جبکہ علینہ کو منتحیٰ نے اپنے پاس سلا لیا تھا۔بریرہ نے مڑ کر پانی کی بوتل اٹھا کر منہ سے لگائی تو ایک ہی سانس میں بوتل خالی کر کے واپس رکھی۔اب وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور سامنے کہیں خلا میں گھورنے لگی۔

آخری دفعہ کب یہ خواب دیکھا تھا؟ کتنے سال گزر گئے تھے اس بات کو؟ اب تو گنتی بھی بھول گئی تھی۔زیادہ تکلیف اس بات سے ہوتی تھی کہ وہ کسی کو بتا نہیں سکتی تھی۔مسئلہ خواب نہیں تھا مسئلہ وہ ٹراما تھا جو پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔پھر وہ کسی سے کہتی بھی کیا؟ کیا بتاتی؟ کیا خوف تھا؟ اسے یہ اذیت اکیلے جھیلنی تھی۔وہ اکیلی تھی بالکل اکیلی۔لیکن نہیں وہ اکیلی تو نہیں تھی۔کنزہ تو اس بارے میں جانتی تھی۔"میرے پاس ایک رازدار ہے" اس نے کنزہ کو دیکھ کر سوچا۔

ہاں۔آپی ہیں۔آپی ہمیشہ ہوں گی۔کوئی نہیں ہو گا ساتھ تب بھی آپی ہمیشہ ساتھ ہوں گی۔بریرہ خود کو تسلیاں دے رہی تھی۔اسی طرح بیٹھے بیٹھے اسے نیند آ گئی وہ پر سکون ہوتی گئی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

بریرہ کی آنکھ کنزہ کے جگانے سے کھلی تھی۔وہ آنکھیں ملتی اٹھ بیٹھی۔کمرے میں نائٹ بلب کی ہلکی سی روشنی تھی۔

کیا ٹائم ہو رہا ہے؟ بریرہ نے خمار آلود آواز میں پوچھا۔اسے جواب کے لئے کنزہ کے بولنے کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔دور سے آتی آذان کی آواز کافی تھی۔بریرہ نے سر اٹھا کر کنزہ کو دیکھا وہ آئینے کے سامنے کھڑی زیرِلب کچھ پڑھتے ہوئے چہرے کے گرد ڈوپٹہ لپیٹ رہی تھی۔کنزہ نے اسے دیکھا تو سر کے اشارے سے واش روم کی طرف اشارہ کیا۔

بریرہ بھی خاموشی سے اٹھ کر واش روم چلی گئی لیکن اندر آ کر وہ حیران ہوئی تھی۔آئینے کے نیچے شیشے کی شیلف تھی جس پر مردانہ فیس واش، ہیئر جیل اور شیمپو پڑا تھا۔بریرہ کا ہاتھ بے اختیار ماتھے تک گیا۔"میں شہرام بھائی کے کمرے میں سو گئی تھی کیا؟ کسی نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟"۔اس نے سوچا پھر سوچوں کو جھٹک کر وہ وضو کرنے لگی۔

اب بریرہ جائے نماز پر بیٹھی التحیات پڑھ رہی تھی۔بریرہ نے سلام پھیرا تو کنزہ جائے نماز پر بیٹھی اسی کو دیکھ رہی تھی۔بریرہ نے مسکرا کر سر کے اشارے سے پوچھا "کیا ہوا؟"۔کنزہ کچھ دیر اسے دیکھ تھی رہی پھر نفی میں سر ہلا دیا۔بریرہ دعا مانگنے لگی تو کنزہ جائے نماز طے کرتی اٹھ گئی۔بریرہ بھی دعا مکمل کر کے اپنی جگہ آ لیٹی۔

بھائی کہاں سوئے؟ بریرہ کو نام لینے کی ضرورت نہیں تھی۔کنزہ سمجھ گئی تھی وہ کس کا پوچھ رہی ہے۔

تمھارے کمرے میں۔کنزہ بالکل سیدھی لیٹی چھت کو دیکھ رہی تھی۔

مجھے جگایا کیوں نہیں؟ وہ دونوں آہستہ آواز میں باتیں کر رہی تھیں کہ کہیں زاویار نہ اٹھ جائے۔

میں آ رہی تھی جگانے لیکن بھائی نے منع کر دیا تھا۔کنزہ نے کروٹ بدل کر رخ بریرہ کی طرف کر لیا۔

اور ان کے کپڑے؟ بریرہ کو فکر ہونے لگی تھی۔

ان کے کمرے میں دے آئی تھی۔تم چھوڑو اس بات کو اپنی بات کرو۔تم ٹھیک ہو؟ کنزہ چاہتی تھی کہ بریرہ اپنے دل کا غبار نکالے مگر وہ اس بارے بات ہی نہیں کرتی تھی۔سو اب بھی جواب دئے بغیر اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

○○○

اچھا آپ کے کپڑے نکال دوں؟ وہاں زاویار سو رہا ہے تو آپ کو بعد میں مشکل ہو گی۔بریرہ کسی بھی طرح کل والے واقعے کے ذکر سے بچنا چاہتی تھی اور شہرام نے یہ بات محسوس کر لی تھی۔شہرام نے مسکرا کر سر ہلایا اور بریرہ واپس کمرے میں چلی گئی۔

بریرہ واپس آئی تو اس نے ایش گرے کلر کا تھری پیس سوٹ اٹھا رکھا تھا۔شہرام نے سوٹ دیکھا تو ہلکا سا ہنس کر سر ہلایا۔یہ سوٹ بریرہ نے اس کے لئے پسند کیا تھا۔شہرام نے کہا نہیں لیکن بریرہ کو پتا تھا کہ شہرام کو یہ رنگ بالکل پسند نہیں تھا وہ یہ سوٹ پہنتا بھی بہت کم تھا لیکن بریرہ کو یہ رنگ بہت پسند تھا۔شہرام نے اس کے ہاتھ سے سوٹ لے لیا اور اوپر جانے لگا۔

بیا۔آج کالج نہیں جانا، طبیعت ٹھیک نہیں ہے نا ریسٹ کرنا۔شہرام نے جاتے جاتے کہا اور پلٹ گیا۔شہرام ایسا ہی تھا ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کا خیال رکھنے والا۔

لیکن جانا ضروری ہے بھائی۔پریکٹیکل چل رہے ہیں مس نہیں کر سکتی۔بریرہ منتحیٰ کے سوالوں سے بچنا چاہ رہی تھی۔شہرام بھی سر ہلا کر کچن کی طرف چلا گیا۔

گھر رکی تو ماما کے سوالوں کے جواب دینا ہوں گے اس سے بہتر ہے کالج ہی چلی جاؤں۔یہ صرف سوچا کہا نہیں اور پلٹ کر شہرام کے کمرے میں چلی گئی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

حسنین اپنے آفس میں ٹیبل کے پیچھے بیٹھے تھے۔ٹیبل کے سامنے دو کرسیاں پڑی تھی۔کرسیوں کے پیچھے دو چھوٹے صوفے تھے مگر ان کا رخ دیوار کی طرف تھا۔حسنین کسی اکاؤنٹ کی ڈیٹیلز دیکھ رہے تھے جب ان کا پی اے ان کے پاس آیا۔

سر کوئی لڑکی آئی ہے آپ سے ملنے۔حسنین نے سر اٹھا کر عینک کے پیچھے سے اسے دیکھا۔

کون لڑکی؟ کیا نام بتایا اس نے؟ حسنین نے عینک اتار کر رکھ دی۔

سر نام تو۔۔۔منزہ۔منزہ نام بتایا تھا۔پی اے نے یاد کر کے بتایا۔حسنین الجھ گئے منزہ نام کی تو کسی لڑکی کو وہ نہیں جانتے تھے۔

آر یو شیور اس نے یہی نام بتایا تھا؟ حسنین کو لگا ان کے پی اے نے نام غلط سنا ہے۔

جی سر یہی نام تھا۔اور ہاں وہ خود کو آپ کی بھتیجی بتا رہی تھی۔حسنین نے اس کی بات سن کر سر نفی میں ہلایا۔

منزہ نہیں منیزہ۔ بھیجو اندر۔ حسنین منیزہ کے یہاں آنے پر حیران تھے۔وہ کال تو اکثر کرتی تھی لیکن آفس پہلی دفعہ آئی تھی۔

تھوڑی دیر میں ایک بیس بائیس سالہ لڑکی سر پر دوپٹہ جمائے، کندھے پر کالج بیگ لٹکائے اندر آئی۔ منیزہ سلام کر کے صوفے پر بیٹھ گئی۔حال احوال پوچھا گیا۔ادھر اُدھر کی باتیں جیسے کے "یونیورسٹی کیسی جا رہی ہے؟ امی ابو کیسے ہیں؟ چاچی کیسی ہیں؟ آپ ملنے کیوں نہیں آتے" ہو چکی تھی اور اب کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔

کچھ لو گی؟ حسنین نے نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تو خاموشی ٹوٹی۔

نہیں۔ منیزہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

کوئی پریشانی ہے؟ حسنین ٹیبل کے پیچھے سے نکل آئے اور کرسی کا رخ اس کی طرف موڑ کر بیٹھ گئے۔

آپ کی مدد چاہئیے چاچو۔ منیزہ کی آواز بہت دھیمی تھی۔

کیسی مدد؟ حسنین کی دھیمی آواز اور نرم لہجے نے ذرا سی امید دلائی۔

میں۔۔۔جاب کرنا چاہتی ہوں۔ منیزہ نے ہاتھ میں انگھوٹھی پہنی ہوئی تھی جو درمیان میں سے کٹی ہوئی تھی۔اس کٹے ہوئے حصے کے درمیان میں ایک نگ تھا۔جسے وہ مسلسل گھما رہی تھی۔ منیزہ پریشانی میں اکثر ایسا کرتی تھی۔

ہمم تو تمہیں جاب چاہئیے۔ حسنین نے سمجھ کر سر ہلایا۔

نہیں نہیں جاب نہیں چاہئیے۔جاب تو ہے۔بس آپ ابو سے اجازت دلوا دیں۔منت بھرا لہجہ۔

بھائی صاحب منع کر رہے ہیں؟ حسنین نے محتاط انداز میں پوچھا۔منیزہ نے سر ہلا دیا۔

اگر بھائی صاحب منع کر رہے ہیں تو کوئی وجہ تو ہو گی۔حسنین نے سمجھانے کے لئے کہا۔

ایسی بات نہیں ہے چاچو۔ابو کو تو اعتراض نہیں ہونا تھا۔وہ تو پھوپھو کی وجہ سے منع کر رہے ہیں۔ منیزہ ان کا چہرہ دیکھا وہ بیزار ہوئے تھے۔

تم آپا سے اتنی بدگمان کیوں ہو؟ اب لہجہ ذرا سخت تھا۔منیزہ گھبرا گئی۔

بد گمان نہیں ہوں۔ہم لوگ جب دادی جان سے ملنے گئے تھے تو انہوں نے پوچھا تھا کہ آج کل میں کیا کر رہی ہوں تو میں نے ان کے سامنے غلطی سے ذکر کر دیا تھا جاب کا۔تب انہوں نے ابو کو بہت سخت باتیں کہی تھیں۔منیزہ نے صفائی دی۔

کیوں ایسا بھی کیا کہا تھا؟ حسنین نے پھر سختی سے کہا۔

انہوں نے کہا "وقاص تم اتنے بیغیرت ہو گئے ہو کہ اب بیٹی کی کمائی کھاؤ گے؟"۔ منیزہ نے ان کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ حسنین کو ہنسی تو آئی مگر وہ دبا گئے۔

انہوں نے یہ کہا تھا؟ حسنین شک سے پوچھنے لگے جیسے منیزہ نے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہو۔

حرف بہ حرف۔ منیزہ نے گلے پر ہاتھ رکھتے قسم اٹھائی۔

اچھا ٹھیک ہے۔ ویسے تم جاب کیوں کرنا چاہتی ہو؟ پیسوں کا مسئلہ ہے کیا؟ حسنین نے فکر مندی سے پوچھا۔

نہیں پیسوں کا مسئلہ نہیں ہے۔ منیزہ نے سر جھکا کر کہا۔

تو پھر؟ حسنین نے اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔ منیزہ چند لمحے خاموش رہی۔ پھر جب بولی تو آواز رُندھی ہوئی تھی۔

ابو بوڑھے ہو رہے ہیں۔بیمار بھی رہنے لگے ہیں اور آپ نے دیکھا وہ کتنے کمزور ہو گئے ہیں؟ میں انہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتی، مجھے تکلیف ہوتی ہے۔منیزہ کے صوفے کے ساتھ پڑے ٹیبل پر ٹشو باکس پڑا تھا۔منیزہ نے اس میں سے دو ٹشو نکال کر ناک پونچھی۔وہ سر جھکائے پھر سے بولنے لگی۔

ابو کا کوئی بیٹا نہیں ہے تو ایسے میں یہ میرا فرض بنتا ہے نا کہ میں ان کا سہارا بنوں۔میں ان کی مدد کرنا چاہتی ہوں چاچو مگر وہ کچھ کرنے ہی نہیں دیتے۔کہتے ہیں "میں ہوں نا میں کر لوں گا"۔ابو نے ساری زندگی محنت کی ہے۔وہ کب تک سب کچھ اکیلے کرتے رہیں گے؟ وہ سر جھکائے بولتی جا رہی تھی۔حسنین نے گہری سانس لی۔

ابھی کل کی بات ہے میں تمھیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھا رہا تھا۔تم کب اتنی بڑی ہو گئی بیٹا؟۔منیزہ نے سر اٹھا کر دیکھا تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

مجھے بھی یہی لگتا ہے جیسے کل کی بات ہے کہ آپ ابو سے چھپا کر ہمارے لئے آئس کریم لاتے تھے۔منیزہ نے ہنسی دباتے ہوئے کہا۔اس بات پر دونوں ہنس پڑے تھے۔

لوگ ٹھیک کہتے ہیں بیٹیاں واقعی جلدی بڑی ہو جاتی ہیں۔حسنین کے لہجے میں اداسی اور فخر بیک وقت عود آیا تھا۔

تو آپ ابو سے بات کریں گے نا؟ منیزہ نے بہت امید سے پوچھا۔

ہاں کر لوں گا بات۔حسنین نے واپس ٹیبل کے پیچھے بیٹھتے ہوئے کہا۔

شکریہ چاچو۔منیزہ کی خوشی دیدنی تھی۔وہ اپنا بیگ لئے اٹھی تو حسنین نے اسے روک لیا۔

اکیلی نہیں جاؤ میں چھوڑ دوں گا گھر۔حسنین نے سوچا اب باپ کے ہوتے بیٹی اکیلی گھر جاتے اچھا لگتی ہے بھلا؟

لیکن پھر تو دیر ہو جائے گی۔منیزہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں بس مجھے پانچ منٹ دو۔میں ذرا یہ نمٹا لوں۔حسنین نے فائلز اس کے سامنے لہرائی۔منیزہ مسکرا کر سر ہلاتی واپس بیٹھ گئی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

حسنین اور وقاص اس چھوٹے مگر نفاست سے سجے فلیٹ میں بیٹھے تھے جو بلڈنگ کے دوسرے فلور پر تھا۔بہت عرصے بعد وہ دونوں بھائی اکٹھے بیٹھے تھے۔تبھی منیزہ اور محتاب چائے اور لوازمات لے آئیں۔

اس کی ضرورت نہیں تھی بیٹا۔مجھے واپس بھی جانا ہے۔حسنین ان کو کئی دفعہ منع کر چکے تھے مگر منیزہ اور محتاب اصرار کر رہی تھی تو انہیں رکنا پڑا۔

ابھی واپس نہیں جانا۔امی بریانی بنا رہی ہیں کھانا کھا کر جایئے گا۔محتاب بہت لاڈ سے کہتی ان کے پاس آئی اور ان کے بازو کو اپنے دونوں بازوؤں میں قید کئے سینے سے لگا کر بیٹھ گئی۔

کھانا پھر کبھی کھا لوں گا ابھی لیٹ ہو رہا ہوں نا۔حسنین نے سمجھانا چاہا۔

آپ اتنے دنوں بعد آئے ہیں بھائی صاحب۔ایسے نہیں جانے دوں گی۔بس ابھی کھانا تیار ہو جائے گا، کھا کر جایئے گا۔ان کی آواز سن کر فاطمہ بھی باہر آ گئی تھی۔حسنین نے وقاص کی طرف دیکھا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا دئے۔

اچھا چلیں کھا لیتے ہیں کھانا۔حسنین نے بالآخر ہار مان لی۔

فاطمہ واپس کچن میں چلی گئیں۔منیزہ نے آنکھوں آنکھوں میں حسنین کو اشارہ کیا اور محتاب کو زبردستی اٹھاتی اپنے ساتھ لے گئی۔

بھائی صاحب ایک بات کرنی تھی آپ سے۔حسنین نے چائے کا سپ لیتے کہا۔

ہاں ہاں بولو۔وقاص پوری طرح ان کی طرف متوجہ تھے۔پہلے تو حسنین کو سمجھ ہی نہیں آیا کہ بات کیسے شروع کریں۔

منیزہ جاب کرنا چاہ رہی ہے۔حسنین نے گہری سانس لے کر کہا۔

جانتا ہوں۔وقاص نے سر ہلا دیا۔

منیزہ کہہ رہی تھی آپ اجازت نہیں دے رہے۔حسنین کو سمجھ نہیں آیا کیا کہیں۔

میرا دل نہیں مانتا بس۔وقاص کی بات سن کر حسنین خاموش ہو گئے۔پھر لمبی خاموشی کے بعد بولے۔

بھائی صاحب منیزہ بہت سمجھدار بچی ہے۔آپ فکر نہ کریں وہ آپ کو مایوس نہیں کرے گی۔حسنین نے ان کو تسلی دی۔

بات وہ نہیں ہے۔مجھے پتا ہے وہ میرا سر کبھی جھکنے نہیں دے گی۔مجھے اپنی بچی پر پورا بھروسہ ہے لیکن میں نے دنیا دیکھی ہے حسنین میں کیسے اپنی بچی کو اس دنیا کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں۔وقاص کی فکر بجا تھی۔

وہ اکیلی نہیں ہے بھائی صاحب ہم سب اس کے پیچھے کھڑے ہیں۔اسے جاب کرنے دیں۔اچھا ہے نا دنیا کے ساتھ چلنا سیکھ جائے گی۔ویسے بھی ان دونوں کا کوئی بھائی نہیں ہے ان کو اپنا دفاع خود ہی

کرنا ہے تو ان کو مظبوط ہونے دیں۔کل کس نے دیکھی ہے؟ اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائیں گی تو کم از کم کسی کے سامنے ہاتھ تو نہیں پھیلانے پڑیں گے۔حسنین کی باتیں وقاص کے دل پر لگی تھیں۔اپنی طبیعت اور حسنین کی باتیں انہیں اس بارے میں سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

تبھی فاطمہ کھانا لگانے لگی۔حسنین ہنستے ہوئے کچھ کہہ رہے تھے فاطمہ جواب میں نفی میں سر ہلاتے کچھ کہہ رہی تھیں۔بچیاں بھی ہنس رہی تھی۔آج گھر میں عرصے بعد ان سب کے قہقہے گونج رہے تھے۔رونق سی لگ گئی تھی لیکن وقاص کا دھیان کہیں اور تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

وقت تیزی سے گزرا تھا۔امتحانات ختم ہو چکے تھے۔رزلٹ بھی آ گیا تھا اور بریرہ جس کی صرف تین نمبروں سے پہلی پوزیشن رہ گئی تھی، اچھا خاصا سوگ منا کر اب نارمل ہو چکی تھی۔

بریرہ نے لاہور کے ایک میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔اسے جب سے پتا چلا تھا کہ صدف آنٹی اپنے بیٹوں کے ساتھ اسلام آباد شفٹ ہو رہی ہیں اس نے یہاں سے بھاگنے کی پوری تیاری کر لی تھی۔سعود نے اسلام آباد میں ہی ایڈمیشن لیا تھا اور فلحال فیئر ویل کی تیاری کر رہا تھا۔

محسن لاہور میں پوسٹڈ تھا اس لئے منتحیٰ نے بریرہ کے لاہور جانے کی مخالفت نہیں کی تھی۔جبکہ اصفہ نے رو دھو کر اپنے اماں، ابا اور بڑے بھائی کو کیسے منایا وہ الگ اور لمبی داستان ہے۔

سب رات کے کھانے سے فارغ ہو کر کر لِونگ روم میں بیٹھے تھے۔بریرہ ہوسٹل میں رہنے کی ضد کر رہی تھی لیکن کوئی بھی بریرہ کے ہوسٹل میں رہنے کے حق میں نہیں تھا۔

میں ہوسٹل میں کیوں نہیں رہ سکتی؟ بریرہ صوفے پر تقریباً لیٹی ہوئی تھی۔

کیونکہ ہوسٹل کا ماحول رہنے کے قابل نہیں ہوتا۔منتحیٰ نے جو کچھ سن رکھا تھا اس کے بعد وہ بریرہ کو کبھی بھی ہوسٹل میں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔

کچھ نہیں ہوتا ماما۔اتنی لڑکیاں رہتی ہیں ہوسٹل میں۔بریرہ نے ایک اور جواز پیش کیا۔

کچھ ہوتا ہے یاں نہیں تم ہوسٹل میں نہیں رہ رہی۔محسن نے پہلی بار مداخلت کی۔

لیکن اصفہ بھی تو ہوسٹل میں ہی رہے گی۔بریرہ نے اداس چہرے کے ساتھ کہا۔

اصفہ میری بہن نہیں ہے۔تم میری بہن ہو اور تم میرے ساتھ، میرے فلیٹ میں رہو گی۔بات ختم۔ محسن کے پاس ہر بات کا جواب موجود تھا۔

بریرہ نے سفارش کے لئے سب کے چہرے دیکھے۔بریرہ نے حسنین کی طرف دیکھا "اونہوں! یہ مشورہ تو دیا ہی بابا نے تھا"۔بریرہ نے صرف سوچا۔منتحیٰ کی طرف دیکھا تو سوچا "ان سے امید لگانا بے کار ہے کیونکہ انہوں نے تو لاہور جانے کی اجازت ہی اس لئے دی تھی کہ محسن وہاں ہو گا تو بریرہ کی فکر نہیں ہو گی"۔

پھر نظر سعود پر پڑی تو سوچا "اس کی سنتا ہی کون ہے"۔پھر اپنے برابر میں بیٹھے شہرام کو دیکھا۔ شہرام نے اسے خود کو دیکھتے پایا تو سوالیہ انداز میں بھنویں اٹھائیں۔بریرہ مسکرا دی۔شہرام نے سمجھ کر ہونٹ بھینچ کر "میں کیا کر سکتا ہوں" والے انداز میں کندھے اچکا دیئے۔بریرہ کی آخری امید بھی ٹوٹ گئی۔

بریرہ ذرا سی شہرام کی طرف جھکی۔اپنا کندھا شہرام کے کندھے کے ساتھ ٹکایا اور بہت رازداری سے بولی۔

آپ سے ایک بات پوچھوں؟ شہرام کو پتا تھا کہ اب بریرہ کوئی بہت فضول بات کرے گی۔شہرام نے مسکراہٹ دبائے اس کی طرف دیکھا۔

جو بیوی کے اشاروں پر چلتا ہے اسے زن مرید کہتے ہیں نا تو جو چھوٹے بھائی کے اشاروں پر چلتا ہو اس کو کیا کہیں گے؟ بریرہ نے سرگوشی کی۔اس کی سرگوشی ساتھ بیٹھے سعود کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھی۔وہ بھی بڑی دلچسپی سے آگے کو جھک کر شہرام کو دیکھنے لگا۔

پیکنگ کر لو ورنہ محسن تمھیں یہیں چھوڑ جائے گا۔اور ہاں اس سوال کا جواب مل جائے تو مجھے بھی بتانا۔آخری جملہ شہرام نے سر جھکا کر اسی کے انداز میں کہا۔بریرہ اداس چہرہ لئے اٹھی اور اوپر چلی گئی۔اسے پیکنگ کرنی تھی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

شاہ اپنے گھر کے سٹڈی روم میں بیٹھا اسی کیس کی فائلز کو دوبارا دیکھ رہا تھا۔اس نے ہاتھ میں وہی تصویر اٹھا رکھی تھی جو محسن اسے دے آیا تھا۔اس تصویر میں وہ ہیزل گرین آنکھوں والی لڑکی مسکرا رہی تھی۔بائیں گال میں پڑا ڈمپل اسکی معصومیت کو چار چاند لگا دیتا تھا۔سیاہ بال اوپر سے بالکل سیدھے تھے اور نیچے سے کر کرل کر رکھے تھے۔اس نے کالے رنگ کی چکور گلے والی کی فراک پہن رکھی تھی

شاہ نے تصویر کو پلٹ کر دیکھا اس پر کہیں کوئی نشان نہیں تھا وہ تصویر واپس پلٹنے لگا تبھی اس کی نظر تصویر کے نیچے ایک طرف کونے پر پڑی۔اس نے وہاں انگوٹھا پھیرا پھر دوسرے ہاتھ کا انگوٹھا تصویر پر دو تین مختلف جگہوں پر پھیرا۔تصویر کے اس کونے میں کچھ ابھرا ہوا تھا۔شاہ نے تصویر کو روشنی میں لے جا کر غور سے دیکھا۔وہاں سفید رنگ کی پتلی سی جھلی تھی جو غور کرنے پر نظر آتی تھی۔شاہ نے اسے ناخن سے کھرچا تو وہاں کچھ لکھا تھا۔لکھائی بہت چھوٹی تھی۔شاہ نے تصویر چہرے کے قریب کی تو لکھائی واضح ہوئے۔وہ مورس کوڈ تھا۔شاہ کو یاد آیا کہ محسن نے تصویر کو وہیں سے پکڑ رکھا تھا۔

شاہ کو اس کوڈ کا مطلب سمجھنے میں دقت نہیں ہوئی۔وہ فوراً اٹھا اور کمرے کی طرف بھاگا۔اب جب باہر آیا تو اس کے ایک ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ اور گاڑی کی چابی تھی اور دوسرے ہاتھ میں وہی تصویر تھی۔شاہ بیگ اور تصویر لئے عجلت میں گھر سے نکلا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

سعود، شہاب اور حمزہ بلیک ڈریس سوٹ پہنے اچھے لگ رہے تھے۔وہ تینوں ہوٹل کے اوپن ایئر ایریا میں پتھروں کی بنی روش پر کھڑے تھے۔وہاں ایک کونے میں کھانے پینے کے سٹالز تھے۔دوسری طرف تصاویر کے لئے پروپز تھے۔ان کے جونیئرز نے انہیں اس ہوٹل میں فیئر ویل دیا تھا۔وہ تینوں عینی اور رمشہ کا انتظار کر رہے تھے۔

کہاں ہیں یہ دونوں؟ حمزہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔سعود اور شہاب نے ایک دوسرے کو دیکھتے آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کیا۔

اتنی بے چینی؟ خیر ہے ناں؟ شہاب نے اس کا پرفیوم سونگھا۔حمزہ نے اسے دھکا دے کر خود سے دور کیا۔

تبھی سعود نے حمزہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخ دوسری طرف موڑا۔آ گئی وہ جس کے لئے اتنی محنت کی ہے آپ نے۔سعود نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

سامنے وہ دونوں چلی آ رہی تھی۔عینی نے ٹشو کی لیویندر کلر کی میکسی پہن رکھی تھی۔کمر سے نیچے آتے بال اوپر سے سٹریٹ تھے اور نیچے آتے کرل ہو جاتے تھے۔چہرے پر میک اپ بھی گلابی سی ٹون کا تھا اور آنکھوں میں گرے لینز لگا رکھے تھے۔

رمشہ نے اس کے برعکس بلیک سلک کی سادی سی ساڑھی پہن رکھی تھی۔بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنا کر اس میں چھوٹے چھوٹے سفید پھول لگا رکھے تھے۔اور ہونٹوں پر سرخ لپسٹک تھی۔وہ پیاری لگ رہی تھی۔سعود نے اسے ایک نظر دیکھا دل عجیب طرح سے دھڑکا تھا۔سعود نے نظر جھکا دی۔

اب وہ سب اندر آ گئے تھے۔سامنے سٹیج تھا جسے غباروں اور پھولوں سے سجایا گیا تھا۔سٹیج کے ایک طرف ڈی جے تھا اور سامنے کرسیاں بچھا رکھی تھی جن پر سٹوڈنٹز آ کر بیٹھ گئے تھے۔کچھ دیر پرفارمنسز ہوتی رہیں۔

جونیئرز سٹیج پر آتے، ٹیچرز کی پیروڈی کرتے اور سٹیج سے اتر جاتے۔بہت دیر یہی سلسلہ چلتا رہا۔اب باری سینیئرز کی تھی۔اب سینیئرز سٹیج پر آکر کالج میں گزرے وقت کے قصے سنا رہے تھے۔تھوڑی دیر میں یہ سلسلہ بھی ختم ہوا اب جونیئرز اپنے سینیئرز کے آٹو گراف لے رہے تھے۔حمزہ تو اسی بات پر خوش تھا کہ آج کچھ لڑکیوں نے اس سے اس کا آٹو گراف مانگا تھا اور کچھ نے نمبر۔حمزہ کی خوشی کا تو ٹھکانا ہی نہیں تھا۔اب وہ لوگ اوپن ایئر میں کھانے کے ٹیبلز کے پاس آ چکے تھے۔

مجھے نہیں پتا تھا میں جونیئرز میں اتنا فیمس ہوں۔حمزہ چہک رہا تھا۔وہ پانچوں پلیٹس پکڑے ادھر ادھر گھومتے باتیں کر رہے تھے۔

پتا تا ہوتا تو کیا کر لیتے؟ عینی نے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

غریب کا بچہ خوش ہو جاتا اور کیا۔اس کی مسکراہٹ پھیکی ہو گئی تھی۔

تو اب بھی خوش ہو سکتا ہے بھائی۔شہاب نے اسے کوہنی مار کر پیچھے کی طرف اشارہ کیا۔

اب کیا فائدہ؟ اب تو جوانی گزر بھی گئی۔حمزہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور دکھ سے کہا۔وہاں جونیئر لڑکیوں کا ایک گروپ تھا جن کی نظر یہیں تھی۔

چل چھوڑ نا۔یونیورسٹی میں دوبارہ موقع ملے گا نا۔اب کی بار سعود بولا تھا۔

نئے سرے سے محنت کرنی پڑے گی یار۔حمزہ نے ایسے کہا تھا جیسے پہاڑ سر کرنا ہو۔

تو کسی پرانی والی سے ہی کام چلا لے۔سعود نے معنی خیز انداز میں سرگوشی کی۔

تبھی عینی کا فون بجا۔وہ کال سننے کے لئے سائڈ پر چلی گئی۔حمزہ نے اسے دور جاتے دیکھا وہ فون پر بات کر رہی تھی۔یہاں سے اسکا نیم رخ نظر آتا تھا۔"وہ کتنی خوبصورت ہے"۔حمزہ کے دل نے اعتراف کیا لیکن الفاظ زبان تک نہیں آئے۔

ہاں پرانی والی سے ہی کام چلانا پڑے گا۔حمزہ نے سرگوشی میں کہا اور پلٹ کر رخ ان تینوں کی طرف موڑ لیا۔

تھوڑی دیر میں وہ سب کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔اب اکٹھے تصاویر بنوا رہے تھے۔کچھ سیلفیز لی تھیں اور کچھ تصاویر جونیئرز نے بنا دی تھی۔اب وہ لوگ باتیں کرتے ہنس رہے تھے۔

آگے کا کیا پلان ہے؟ رمشہ نے چلتے چلتے پوچھا۔

میں نے ابھی کچھ سوچا نہیں ہے۔شاید میں آسٹریلیا چلا جاؤں۔حمزہ نے کہا اور سرسری سا عینی کو دیکھا۔وہ سر جھکائے چل رہی تھی جیسے فرق نہ پڑا ہو۔حمزہ کا منہ بن گیا۔

میں تو ایڈمیشن لے چکا ہوں، یہیں اسلام آباد میں۔سعود نے کہا تو سب نے اسے عجیب طرح سے دیکھا۔یار میں نے کافی عرصے کالج ڈیسائڈ کر رکھا تھا۔سعود خجل سا صفائی دے رہا تھا۔

تم دونوں کیا کرو گی آگے؟ شہاب نے رمشہ اور عینی سے پوچھا

میں سوچ رہی ہوں کہ کہا ایڈمیشن لوں۔جب ڈیسائڈ ہوا تب بتاؤں گی۔رمشہ نے کہا تو سب کا دھیان عینی کی گیا۔

ابھی پتا نہیں ہے کہاں لیکن میں آرکیٹیکچر میں ایڈمیشن لوں گی۔عینی نے مسکرا کر کندھے اچکا دئے۔

میری یونی میں ہے ناں آرکیٹیکچر تم وہیں آ جاؤ۔سعود نے کہہ کر حمزہ کو دیکھا وہ عینی کو دیکھ رہا تھا۔ عینی نے سوچنے کے انداز میں سر ہلا دیا۔

تو ملک صاحب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ حمزہ نے شہاب سے پوچھا۔

ابا گاؤں بلا رہے ہیں۔کہہ رہے ہیں کہ اب آ کر گاؤں سنبھالو۔شہاب اپنے تایا کو ہمیشہ سے ابا کہا کرتا تھا۔

تو۔۔۔پھر؟ سعود جانتا تھا وہ اپنے تایا کو انکار نہیں کر سکتا۔

جانا تو پڑے گا وہاں سے واپس آؤں گا تو سوچوں گا۔شہاب کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

محسن نے رات میں لاہور جانا تھا وہ اپنی تیاری میں مصروف تھا جب بیل بجی۔سب سو چکے تھے۔ دروازہ محسن کو ہی کھولنا تھا۔محسن نے دروازہ کھولا تو سامنے شاہ نواز کھڑا تھا۔محسن نے دروازے سے ہٹ کر راستہ دیا۔شاہ نواز اندر آگیا۔شاہ نواز اب کچن کاؤنٹر کے سامنے پڑے اونچے سٹول پر بیٹھ چکا تھا۔اس کا رخ دروازے کی طرف تھا۔محسن بھی شاہ نواز کے ساتھ رکھے سٹول پر آ بیٹھا۔رخ کچن کی طرف تھا۔

بڑی دیر کر دی مہرباں آتے آتے۔محسن نے کوہنیاں کچن کاؤنٹر پر ٹکا کر اسے دیکھا۔

یہ کیا ہے؟ شاہ نے تصویر کا وہ حصہ سامنے کیا جہاں وہ مورس کوڈ لکھا تھا۔محسن نے کوڈ کو دیکھا پھر شاہ نواز کو دیکھا۔پھر تصویر اس کے ہاتھ سے لے لی۔

تجھے اب تک اس کا مطلب نہیں پتا؟ اتنا عرصہ کیا کیا ہے تو نے؟ محسن نے حیران ہونے کی اداکاری کی۔

کون ہے وہ؟ شاہ نواز نے سر نفی میں ہلا دیا۔محسن کے برعکس شاہ نواز سیریس تھا۔

بتاؤں گا پہلے یہ بتا کہ یہ تصویر دے دی ان دونوں کو؟ محسن نے زوہا اور عالیان کا پوچھا۔

تو وہ ان دونوں میں سے کوئی ہے؟۔شاہ نواز نے کہا۔

ابھی نہیں پتا۔ابھی بس شک ہے۔ محسن نے کندھے اچکا کر کہا۔

اب کیا چھپا رہا ہے تو بھائی؟ شاہ نواز نے پیشانی مسلتے پوچھا۔محسن نے جواب نہیں دیا بس اسکو دیکھتا رہا۔

تو نے جھوٹ بولا تھا۔تو نے نیاز کو اس کے ساتھ نہیں دیکھا تھا ہے نا؟ بتا نا۔شاہ نواز اس کی خاموشی سے زِچ ہوا تھا۔

ایک جھوٹ میں نے جھوٹ بولا تھا۔اب ایک جھوٹ تو بولے گا۔شاہ نواز کو محسن کا انداز عجیب لگا تھا لیکن خیر محسن خود بھی بے حد عجیب تھا۔

اچھا بتا کیا جھوٹ بولنا ہے؟ شاہ نواز اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔کیوں؟ کیا؟ کیسے؟ شاہ نواز نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔پوچھنے کا فائدہ تھا بھی نہیں۔

تو ان سے کہے گا کہ۔۔۔۔محسن اسے سب بتاتا گیا اور وہ سنتا گیا۔شاہ نواز کو سمجھ نہیں آئی کہ محسن کیا کرنا چاہ رہا ہے۔

°°°

گاڑی میں، جو اس نے ضرورت کے پیشِ نظر خریدی تھی، بیٹھا بار بار ہارن بجا رہا تھا۔بریرہ بھاگتے ہوئے آئی اور گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر بیٹھی۔اور محسن نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

آج اپنے چکر میں تم نے مجھے بھی لیٹ کروا دیا۔محسن نے سڑک پر نظر ٹکائے کہا۔

سوری آئیندہ آپ کو پریشان نہیں ہونا پڑے گا۔میں بس سروس لے لوں گی۔بریرہ نے بیگ میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے کہا۔

کیا ڈھونڈ رہی ہو؟ محسن کب سے اسے بیگ کھنگالنے دیکھ رہا تھا۔

والیٹ نہیں مل رہا بھائی۔بریرہ کا سر ابھی بھی بیگ پر جھکا تھا۔

ویری گڈ۔پہلے دن یہ حال ہے تمہارا آگے کیا کرو گی؟ محسن نے ڈانٹتے ہوئے اپنا والیٹ اس کی طرف بڑھایا۔بریرہ نے زرا شرمندگی سے ہونٹ بھینچ کر والیٹ پکڑا اور کچھ پیسے نکال کر اسے ڈیش بورڈ پر رکھ ڈیا۔

کچھ دیر بعد گاڑی کالج کے گیٹ کے سامنے رکی۔بریرہ نے بیگ کندھے پر ڈالا کچھ کتابیں اس کے ہاتھ میں تھیں۔محسن نے اس کو دور جاتے دیکھ اور گاڑی زن سے لے گیا۔آج وہ زیادہ ہی لیٹ ہو گیا تھا۔

بریرہ تیز تیز چلتی جا رہی تھی۔وہ گیٹ سے اندر آئی تو سامنے دو عمارتیں تھیں۔دونوں کے درمیان میں راہداری تھی اور راہداری کے اطراف میں گھاس کے چپے پر درخت تھا۔اس نے دائیں طرف کی عمارت کے اندر کوریڈور میں کھڑی اصفہ کو دیکھا۔اصفہ اس کوریڈور کے تیسرے کمرے کے سامنے کھڑی تھی۔

بریرہ فوراً اس کی طرف بڑھی۔پہلے کمرے کے دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے بریرہ کا موبائل بجا۔اس نے سر جھکا کر موبائل دیکھنا چاہا لیکن اس لمحے کوئی بہت زور سے اس سے ٹکرایا۔ بریرہ اپنا بیلینس برقرار نہ رکھ سکی اور گر گئی۔اس کی کتابیں بکھر گئی تھیں اور موبائل۔۔۔بریرہ نے چیزیں سمیٹتے ہوئے موبائل ڈھونڈھنا چاہا۔موبائل قریب ہی ایک کتاب کے نیچے الٹا پڑا تھا بریرہ نے موبائل اٹھایا تو سکرین ٹوٹ چکی تھیں اور موبائل بند تھا۔اصفہ بھی اب تک اس کے پاس آ گئی تھی۔

بریرہ نے سر اٹھا کر ٹکرانے والے کو دیکھا۔وہ لڑکا پنجوں کے بل بیٹھا اس کی کتابیں اٹھا رہا تھا۔اس لڑکے نیلی وہ گلے کی، آدھے بازوؤں والی شرٹ کے ساتھ خاکی جینز پہن رکھی تھی۔اس نے بریرہ کی کتابیں اس کے حوالے کی اور معذرت کیئے بغیر اٹھ کر چل دیا۔بریرہ کا دماغ گھوم گیا تھا۔وہ فوراً اٹھ کر اس کے پیچھے آئی۔

سنو۔اے لڑکے سنو۔بریرہ اس کے پیچھے چلا رہی تھی۔مگر وہ سن نہیں رہا تھا۔بریرہ نے کندھے سے اس کے لی شرٹ پکڑ کر کھینچی اور اسکا رخ اپنے طرف کیا۔

تمیز نام کی کوئی چیز بھی ہے تم میں؟ میری کتابیں گرا دیں، میرا فون بھی توڑ دیا اور اب ایٹیٹیوڈ اتنا ہے کہ سوری بولے بغیر جا رہے ہو۔بریرہ ارد گرد کھڑے لوگوں سے بے نیاز اس پر چڑھ دوڑی تھی۔

ایکسکیوز می؟ دماغ ٹھیک ہے؟ میں کس بات کے لئے سوری بولوں؟ اندھوں کی طرح تم بھاگ رہی تھی۔وہ لڑکا زرا تحمل مگر اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔اور پلٹ کر چل دیا۔اس سے پہلے کہ بریرہ کچھ اور کہتی اصفہ نے اس کا بازو پکڑا اور اسے لئے تیسرے کمرے میں آ گئی۔

بریرہ اور اصفہ کلاس میں بیٹھی تھی تبھی وہ لڑکا جو بریرہ سے ٹکرایا تھا کلاس میں آیا اور ان سے آگے ایک لائن چھوڑ کر بیٹھ گیا۔بریرہ اسے یہاں دیکھ کر جل گئی تھی۔تبھی کسی نے پیچھے سے "ارحم" پکارا تو اس نے مڑ کر دیکھا۔بریرہ نے اس کے مڑتے ہی سر جھکا لیا۔اس لڑکے نے بھی بریرہ کو دیکھا اور نظر انداز کر دیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

یونیورسٹی میں کلاسس شروع ہو چکی تھی۔سعود اور عینی یونیورسٹی میں اپنے بلاک کے سامنے کھڑے کسی کا انتظار کر رہے تھے۔سعود کبھی گھڑی دیکھتا تو کبھی نظر اٹھا کر گیٹ کی جانب دیکھنے لگتا۔یہ ان تینوں کا معمول تھا کہ جو پہلے آئے گا وہ باقیوں کا انتظار کرے گا۔

اب کی بار اس نے نظر اٹھائی تو ایک کالے رنگ کی چمکتی گاڑی گیٹ پر رکی۔پچھلا دروازہ کھول کر رمشہ اتری۔آس پاس کھڑے لوگ رک کر، مڑ کر اسے دیکھنے لگے۔رمشہ نے ان دونوں کو دور سے

دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور قدم قدم چلتی ان کی طرف آئی۔سعود اور عینی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ستائشی آبرو اٹھائے۔

واہ بھئی ششکے۔سعود کی نظر اب بھی گیٹ پر تھی جہاں سے وہ گاڑی گئی تھی۔

ششکے نہیں زبردستی کہو۔رمشہ کا منہ بنا ہوا تھا۔

زبردستی کیوں؟ عینی نے حیرت سے پوچھا۔

تم نے دیکھا نہیں؟ سب ایسے دیکھ رہے تھے جیسے میں کوئی ایلین ہوں۔بابا کو پتا نہیں کیا ضد ہے کہ یونیورسٹی تو ڈرائیور کے ساتھ ہی جانا ہے۔رمشہ اکتائی ہوئی تھی۔

اچھا۔شہاب سے رابطہ ہوا؟ عینی نے ان دونوں کو دیکھ کر پوچھا۔ان دونوں نے مسکرا کر نظروں کا تبادلہ کیا۔

یہ تو ہمیں تم سے پوچھنا چاہئیے۔رمشہ نے مسکراہٹ دباتے کہا۔عینی نے آنکھیں گھما کر سر نفی ہلا دیا۔

اب بنو تو مت ہمیں پتا ہے تم اسے پسند کرتی ہو۔رمشہ کی بات سن کر عینی کان تک سرخ ہو گئے تھے مگر وہ بولی کچھ نہیں۔

اچھا حمزہ کا کیا بنا۔عینی نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

ہاں وہ تو آسٹریلیا چلا گیا۔تم سے مل کر نہیں گیا؟ سعود نے کہا تو عینی نے بس سر ہلا دیا۔رمشہ نے سعود کو گھورا اور اس کے بازو پر تھپڑ مارا تو وہ ہنس پڑا۔

وہ کہیں نہیں گیا بس ابھی ایڈمیشن نہیں لے رہا بس۔اس کے ممی پاپا چاہتے ہیں وہ آسٹریلیا چلا جائے پر مجھے پتا ہے وہ ان کو کنوینس کر لے گا۔رمشہ کا انداز اس دفعہ مختلف تھا۔

میرا وہ مطلب نہیں تھا۔عینی نے سرگوشی میں کہا۔تبھی رمشہ نے ایک نظر اپنے موبائل پر ڈالی۔

اوپس۔میری کلاس کا وقت ہے بعد میں ملتے ہیں ہاں۔رمشہ چیزیں سنبھالتی عجلت میں بھاگی۔

سعود اور عینی کا بلاک ایک ہی تھا مگر ڈیپارٹمنٹ مختلف تھے اور رمشہ کا تو ڈیپارٹمنٹ اور بلاک دونوں ہی مختلف تھے۔ان کا ڈیپارٹمنٹ قریب آ گیا۔عینی کو دوسرے فلور پر جانا تھا تو سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔سعود وہیں سے ڈیپارٹمنٹ کے گیٹ سے دائیں جانب مڑ گیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

بریرہ کالج کے گیٹ سے نکل کر بس سٹاپ کی طرف بڑھی مگر پھر اک دم رک گئی۔سامنے محسن آنکھوں پر کالا چشمہ لگائے گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔اس کی نظر گیٹ سے نکلنے والی ایک ایک لڑکی کو سکین کر رہی تھی۔اسے بریرہ نظر آئی تو وہ سیدھا ہوا۔وہ غصے میں لگتا تھا۔بریرہ دانتوں میں ہونٹ دباتی اس کی طرف بڑھنے لگی۔ تبھی کوئی اس ٹکرایا اور اسکی کتابیں گرتے گرتے بچی تھی۔بریرہ نے کتابیں سنبھالتے مڑ کر دیکھا۔

تم واقعی اندھی ہو یا بس بنتی ہو؟ ارحم اس کے بولنے سے پہلے ہی طنزیہ مسکرا کر بولا۔اس سے پہلے کہ بریرہ کچھ کہتی وہ آگے بڑھ گیا۔

ایڈیٹ۔بریرہ نے پیچھے سے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ارحم نے سن لیا تھا۔اس نے مڑ کر غصے سے بریرہ کو دیکھا اور سر جھٹک کر مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔محسن نے اتنے دور سے بھی ارحم کی مسکراہٹ دیکھ لی تھی۔

بریرہ قریب آئی تو محسن نے ارحم سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔موبائل کہاں ہے تمھارا؟ وہ قریب آئی تو محسن غصے سے بولا۔

وہ وہ ٹ۔۔ٹوٹ گیا بھائی۔بریرہ ہکلائی۔

شاباش بیٹا۔محسن کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔بریرہ گھوم کر آئی اور پسنجر سیٹ پر بیٹھ گئی۔بریرہ نے سر اٹھا کر دیکھا تو محسن کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا بریرہ نے بھی آگے ہو کر دیکھا تو محسن کی نظر ارحم پر تھی۔بریرہ نے سر سیدھا کر لیا۔

یہ کون تھا؟ محسن نے اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے پوچھا۔

ارحم تھا۔کلاس میٹ ہے۔بریرہ کو محسن کا اس طرح پوچھنا سمجھ نہیں آیا۔

کیا کہہ رہا تھا؟ اب گاڑی آگے بڑھ گئی اور محسن کی نظر سڑک پر تھی۔بریرہ پریشان سی بیٹھی رہی۔ جب وہ بہت دیر کچھ نہیں بولی تو محسن نے سر گھما کر اسے دیکھا۔

میں نے کچھ پوچھا ہے۔ محسن نے اونچا سا کہا۔

کچھ نہیں کہہ رہا تھا بس میں اس سے ٹکرا گئی تھی صبح۔اور فون گر کر ٹوٹ گیا تھا تو بس وہی۔۔۔ بریرہ کی آواز مدھم ہو گئی۔

کوئی مسئلہ ہو تو بتانا۔بریرہ نے سر اٹھا کے محسن کو دیکھا۔بریرہ کو محسن کے انداز سے ہی خطرے کی بو آنے لگی تھی۔

یا اللہ اس کو میرے بھائی کے قہر سے محفوظ رکھنا۔بریرہ نے سر اٹھا کر گاڑی کی چھت کو دیکھتے ہوئے دل میں کہا۔

○○○

بالکل بھی نہیں۔وہ چودھری تو ویسے ہی تاق میں ہے کہ سرپنچ کی کرسی اس کے بیٹے کو ملے۔تمہاری یہی حرکتیں رہی تو گاؤں ہاتھ سے جائے گا۔ابا اب بھی مصر تھے۔

اس کا اور اپنے شہاب کا کیا مقابلہ بھلا۔گاؤں والے ویسے بھی اس گھامڑ رشید (چودھری کا بیٹا، جو شہاب سے دوگنی عمر کا تھا) کو قبول نہیں کریں گے سرپنچ کی کرسی کے لئے۔اماں نے شہاب کے سر پر ہاتھ پھیرتے کہا۔شہاب نے انہیں مسکرا کر دیکھا۔

گاؤں والے پنچایئت کے فیصلے کے خلاف نہیں جائیں گے۔یہ بات یاد رکھنا۔ابا نے اماں کو گھور کر کہا۔

اچھا چھوڑیں نہ ابا بس چند سال اور پلیز۔شہاب نے منت بھرے لہجے میں کہا۔ابا نے اماں کو دیکھا ادھر اماں کی نظروں میں بھی منت تھی۔اور کرن تو ویسے ہی ان معاملات میں نہیں پڑتی تھی۔

کتنے سال ؟ ابا نے اسے دیکھے بغیر پوچھا۔یہ ہاں تھا۔ویسے بھی وہ لاڈلے بھتیجے کی کب کوئی بات ٹالتے تھے۔

پانچ سال۔پھر میں آ کر گاؤں سمبھال لوں گا۔شہاب نے اپنی خوشی بامشکل چھپائی۔ابا نے سر ہلا دیا لیکن جواب نہیں دیا۔

تو میں جاؤں؟ شہاب نے زرا احتیاط سے پوچھا۔

کہاں؟ ابا حیران ہوئے تھے۔

اسلام آباد۔پہلے ہی ایک ہفتے کا حرج ہو چکا ہے ابا۔اب لیٹ ایڈمیشن ہو گا۔شہاب نے کہا۔

ہاں جاؤ۔ابا کا دل نہیں مانا تھا کہ اسے جانے دیا جائے لیکن بھتیجے کی محبت میں وہ مجبور تھے۔

تھینک یو ابا۔شہاب نے کا ہاتھ دبا کر کہا اور ایکسائٹڈ سا اٹھا۔

کھانا تو کھا لو۔ابا نے پیچھے سے آواز دی مگر شہاب نہیں رکا۔

رہنے دیں ابا۔آپ نے اس کی دلی مراد پور کی ہے اب بھوک کسے لگنی ہے۔کرن جو شہاب کے آ جانے سے خوش تھی اس کے جانے کا سن کر بجھ گئی تھی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

رات کے بارہ بج رہے تھے۔شہرام ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔منتحیٰ لِونگ روم کے صوفے پر پیر اوپر کئے، صوفے کے ہتھ سے ٹیک لگائے بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔وہ پچھلے دو گھنٹے سے وہیں بیٹھی تھی۔منتحیٰ کا تو معمول تھا کہ جب تک بچوں کا چہرہ نہ دیکھ لیتی تھی بے چین رہتی تھی۔اب بھی نیند سے بے حال ہوتی وہ صوفے پر بیٹھی تھی۔سر بار بار ڈھلک کر صوفے کی پشت سے جا لگتا لیکن وہ پھر سر سیدھا کر کے نظر دروازے پر ٹکا دیتی۔وقت گزرتا گیا لیکن شہرام نہیں آیا تھا۔منتحیٰ وہیں صوفے پر بیٹھی بیٹھی سو گئی۔

شہرام ایک بجے کے قریب گھر آیا تھا۔منتحیٰ کو صوفے پر سوتے دیکھ کر ان کے پاس آیا اور کا پیر پکڑ کر ہلکا سا ہلایا۔منتحیٰ کی نیند ہمیشہ سے کچی ہوتی تھی۔وہ فوراً جاگ گئیں۔انہوں نے وقت دیکھا اور پھر تنبیہہ کے انداز میں شہرام کو دیکھا۔

اتنا لیٹ شہرام؟ منتحیٰ نے خمار آلود آواز میں کہا۔

سوری کام زیادہ تھا ماں۔آپ یہاں کیوں سو رہی تھی؟ شہرام نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگایا۔ وہ انہیں اکثر پیار میں ماما کے بجائے ماں کہا کرتا تھا۔

تمہارا انتظار کر رہی تھی۔تمہیں پتا تو ہے کہ۔۔۔بات ادھوری رہ گئی۔

کہ مجھے تم لوگوں کو دیکھے بغیر نیند نہیں آتی۔پتا ہے۔شہرام نے ان کی بات مکمل کی۔

آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں؟ اب ہم بڑے ہو گئے ہیں۔اپنا خیال خود رکھ سکتے ہیں۔شہرام ان کو سمجھا رہا تھا۔ہاتھ اسی طرح پکڑ رکھا تھا۔

بس آج کل عجیب عجیب سے خواب دیکھنے لگی ہوں۔مجھے ڈر لگتا ہے شہرام۔اسی لئے بیا کو لاہور جانے سے منع کیا تھا۔مگر وہ کس کی سنتی ہے؟ منتحیٰ نے پریشانی سے کہا۔

شہرام نے سر جھکا دیا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ماما آپ دادو سے مل لیں ایک بار۔

میں وہاں نہیں جانا چاہتی تمہیں تو پتا ہے نا۔منتحیٰ کو بات مکمل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔شہرام سمجھ گیا تھا وہ کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔

دادو نے آپ کے لئے خاص پیغام بھیجا ہے۔شہرام نے امید سے کہا۔منتحیٰ کچھ نہیں بولی۔

ماما انہوں نے تیسری دفعہ کہا ہے۔ہم سب ملنے جاتے ہیں ان سے بس آپ نہیں جاتی۔شہرام ان کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔

مجھے نہیں جانا۔جب میں ملنے کی کوششیں کرتی تھی تب وہ دھتکار دیتی تھی۔اب کیوں ملنا چاہتی ہیں؟ منتحیٰ نے کہا۔

آپ کب سے باتیں دل میں رکھنے لگی؟ شہرام نے شکوہ کیا۔

شہرام مجھے نہیں جانا۔مجھے مجبور مت کرو۔منتحیٰ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکال لیا۔

ماما پلیز۔شہرام نے دوبارہ کوشش کی۔

کہہ دیا نا نہیں تو بس بات ختم۔منتہیٰ کہہ کر رخ موڑ گئی

ہم صبح چلیں گے ان سے ملنے۔اب وقت آ گیا ہے کہ آپ پھوپھو کے خوف کو دل سے نکال دیں۔ شہرام نے فیصلہ سنایا۔

میری بات سنو میں تمھاری ماں ہوں تم میرے باپ مت بنا کرو۔منتہیٰ سر جھٹکتی اٹھیں اور اپنے کمرے میں آگئی۔شہرام اپنا سر پکڑ کر رہ گیا تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

سعود سفید گول گلے کی شرٹ اور بلیک جینز پہنے کلاس میں بیٹھا پروفیسر لقمان کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔پروفیسر لقمان کبھی لیٹ نہیں ہوتے تھے لیکن آج وہ پہلی دفعہ لیٹ تھے۔وہ سفید شلوار قمیض پر کالی واسکٹ پہنے، واکنگ سٹک کی مدد سے چلتے ہوئے کلاس میں آئے اور روسٹرم کے پیچھے کھڑے

ہو گئے۔سب طلباء ان کو دیکھ کر اپنی اپنی جگہ بیٹھنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے کلاس میں خاموشی چھا گئی۔

پروفیسر لقمان کمپیوٹر سائنسز پڑھاتے تھے اور اس میں ماہر تھے۔ان کے بال سفید تھے، چہرے پر جھریاں تھی اور کمر زرا سی جھکی ہوئی تھی مگر ان کا تجربہ اور معلومات آج کل کے نوجوانوں کو مات دے جاتی تھی۔وہ روسٹرم کے پیچھے کھڑے اپنا لیکپ ٹاپ کھول رہے تھے تبھی ڈیپارٹمنٹ ہیڈ ان کے پاس آئے اور ان سے کچھ کہنے لگے۔

ڈیپارٹمنٹ ہیڈ کے پیچھے ایک لڑکا کلاس میں آیا۔سعود اسے دیکھ کر اک دم سیدھا ہوا۔وہ سیاہ بالوں، بھوری آنکھوں اور ہلکی سی داڑھی والا لڑکا اب کلاس کا جائزہ لے رہا تھا۔اس کی نظر سعود پر پڑی تو وہ رک کر مسکرا دیا۔

سعود، رمشہ، عینی اور شہاب کیفے میں ایک گول ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔ٹیبل پر چار کوک کے کین اور فرائز پڑے تھے۔سعود کے بالکل ساتھ شہاب بیٹھا تھا۔شہاب کے سامنے رمشہ تھی اور رمشہ کے ساتھ عینی بیٹھی تھی۔

آپ یہاں کہاں ملک صاحب؟ سعود، شہاب کو یہاں دیکھ کر حیران بھی تھا اور خوش بھی تھا۔

بس تمہاری یاد آ رہی تھی جانو۔شہاب نے دور سے اس کو چومنے کا اشارہ کیا۔سعود نے باقائدہ آگے پیچھے دیکھا۔

انسان بن خبیث۔ذلیل کروائے گا تو۔سعود اچھا خاصا شرمندہ ہوا تھا۔شہاب جب بھی بہت خوش ہوتا تھا اس کے اندر کا دل پھینک عاشق جاگ جاتا تھا۔اور سعود اس دل پھینک عاشق کی محبوبہ تھا۔

ارے ڈارلنگ تم تو برا مان گئے۔شہاب نے سعود کو آنکھ مارتے ہوئے ادا سے کہا تھا۔

ویسے یہ رنگ تم پر سوٹ کرتا ہے۔شہاب نے انگلی سعود کی شرٹ کے گلے پر پھیرتے ہوئے کہا۔ سعود نے ہاتھ اٹھا کر اس کے چہرے کے سامنے پورا کھول دیا۔سعود کا چہرا سرخ پڑ رہا تھا۔اور باقی تینوں ہنس رہے تھے۔

ہائے آپ کا یہ انوکھا پیار۔شہاب دل کے مقام پر ہاتھ رکھے اسے چھیڑ رہا تھا۔سعود اٹھا اور سر جھٹکتا کیفے سے باہر جانے لگا۔شہاب نے بھی اپنا کین اور فرائز اٹھائی اور ان دونوں کو اشارہ کیا۔وہ دونوں بھی اپنے کینز لئے پیچھے آئیں۔

ارے ڈارلنگ رکو تو۔ہم سے بھاگ کہ کہاں جاؤ گے؟ شہاب اب اونچا اونچا بولتے اس کے پیچھے جا رہا تھا۔آس پاس کھڑے کچھ طلباء ہنس رہے تھے اور کچھ عجیب نظروں سے ان دونوں کو گھور رہے تھے۔سعود نے پیچھے مڑ کر ایک غیر آرام دہ سی نظر آس پاس کھڑے طلباء پر ڈالی اور معذرت خواہانہ انداز میں مسکرایا۔تب تک وہ تینوں قریب آ چکے تھے۔

شہاب نے سعود کے کندھے پر اپنا کندھا مارا۔تو سعود نے جبڑے بھینچ کر اسے دیکھا۔جس پر شہاب نے بغیر آواز کے ہونٹ ہلا کر اسے لڑکیوں والی ادا سے "آئی لَو یو" بولا۔سعود نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا "اللہ معاف کرے" اور آگے چل دیا۔پیچھے اسے ان تینوں کے قہقہے سنائی دئے۔

اچھا رک جا اب نہیں کرتا۔شہاب اسے منانے کی کوشش کرتا اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا اور سعود کسی روٹھی محبوبہ کی طرح آگے چلتا جا رہا تھا۔

○○○

آپ پھر وہی بات کر رہی ہیں؟ وہ یہاں نہیں آئے گی۔آپ کو پتا نہیں کیا شوق چڑھا اس سے ملنے کا؟ کوثر کو اندازہ تھا کہ اماں جان منتحیٰ سے ملنا چاہتی ہیں۔ان کا تو موڈ ہی خراب ہو گیا تھا منتحیٰ کے ذکر پر۔

پتا نہیں کتنی زندگی رہ گئی ہے میری۔سب سے ملنا تھا بس۔نجمہ بیگم نے بے بسی سے کہا۔

ایسی باتیں کیوں کرتی ہیں اماں جان؟ کچھ نہیں ہوتا آپ کو۔ڈائلیسس چل رہے ہیں نا آپ کے۔آپ بس دوا ٹائم پر کھایا کریں۔کوثر کے دل پر اب بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

تم اس سے نہ ملنا، مجھے مل لینے دو۔اماں جان نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

وہ نہیں آئے گی یہاں۔آپ کھانا کھائیں اور دوا لیں۔اور بھی کام دیکھنے ہیں میں نے۔کوثر کا لہجہ سخت ہو گیا تو اماں بھی خاموش ہو گئی۔

ان سے دور حسنین ہاؤس میں بھی یہی معاملات چل رہے تھے۔حسنین کمال اپنے بیڈ پر بیٹھے آئینے کے سامنے کھڑی منتہیٰ کو منانے کی کوشش کر رہے تھے۔

آپ کیوں نہیں جانا چاہتی؟حسنین نے آئینے میں نظر آتے منتہیٰ کے عکس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

پچھلی دفعہ کیا ہوا تھا آپ بھول گئے؟ منتہیٰ دراز کھول کر ترتیب سے رکھی چیزوں کو دوبارہ ترتیب دے رہی تھی۔

اس دفعہ ایسا نہیں ہو گا۔اس دفعہ اماں جان نے خود بلایا ہے آپ کو۔حسنین انہیں تسلی دے رہے تھے۔

آپ لوگ جاتے ہیں نا ملنے میرا جانا ضروری ہے کیا؟ منتہیٰ نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

اماں جان بیمار ہیں منتہیٰ۔حسنین نے انہیں احساس دلانے کے انداز میں کہا۔منتہیٰ بہت دیر تک کچھ نہیں بولی۔

میں باہر انتظار کر رہا ہوں۔آپ تیار ہو کر نیچے آجائیں۔حسنین گاڑی کی چابی اٹھاتے باہر چلے گئے۔

منتحیٰ سر جھٹک کر الماری کی طرف بڑھ گئی۔وہ شہرام کو انکار کر سکتی تھی مگر حسنین ان کا انکار کبھی نہ سنتے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

منتحیٰ اور حسنین اماں جان کے کمرے میں ان کے پاس بیٹھے تھے۔اماں جان پہلے سے زیادہ کمزور اور بیمار لگ رہی تھی۔کوثر تو منتحیٰ کے آتے ہی دوسرے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔منتحیٰ بھی مطمئن تھی کہ آپا کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔اماں جان بیڈ پر تکیے کے سہارے سے بیٹھی تھی۔اب اماں جان اور حسنین ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔منتحیٰ بس سر جھکائے بیٹھی رہی۔

تم پوچھو گی نہیں میں نے تمہیں اتنے عرصے بعد کیوں بلایا؟ نجمہ بیگم نے نڈھال آواز میں کہا۔منتحیٰ کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کہیں۔

تمھیں شکایت ہو گی نا مجھ سے۔میں نے اپنی بیٹی کی محبت میں تمھارا دل دکھایا تھا۔اماں جان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔منتحیٰ اب بھی خاموش تھی۔

میں تمہاری صلح کی کوششوں کی بھی گوا ہوں اور کوثر کے رویے کی بھی۔میرا اپنا بھی رویہ بھی بہت برا تھا۔شاید اسی بات کی سزا ملی ہے۔نجمہ بیگم منتحیٰ کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھیں۔منتحیٰ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں اماں جان؟ منتحیٰ شرمندہ ہوئی تھیں۔

میں مرنے سے پہلے تم سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔امان جان کسی ٹرانس میں بولی تھی جیسے انہوں نے منتحیٰ کی بات ہی نہ سنی ہو۔

اماں جان آپ کو۔۔۔منتحیٰ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اماں جان کے جڑے ہاتھ دیکھ کر چپ ہو گئیں۔

ہم آپ کے بچے ہیں اماں جان آپ ہم سے معافی نہ مانگیں۔حسنین نے اماں جان کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لئے۔اماں جان کی آنکھ سے آنسو نکل کر ان کے گال پر بہہ گیا۔

میں بہت تکلیف میں ہوں۔میری تکلیف کم کردو۔مجھے معاف کر دو منتحیٰ۔اماں جان اب باقائدہ رو رہی تھی۔

اماں جان میرا دل آپ کی طرف سے صاف ہے۔آپ مجھ سے معافی مت مانگیں۔منتحیٰ انہیں تسلی دے رہی تھیں۔

نہیں مجھے معافی مانگنے دو۔تم سے معافی مانگے بغیر نہیں مرنا چاہتی میں۔اماں جان کہہ رہی تھی۔

آپ کا سکون اسی میں ہے تو میں نے معاف کیا۔آپ پریشان نہ ہوا کریں اور اچھا سوچا کریں۔ان شاءاللہ آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔منتحیٰ اب کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھے مسکرا کر کہہ رہی تھی۔اماں جان نے سر اثبات میں ہلا دیا۔کوثر اسی وقت اماں جان کی دوا لے آئیں۔

چلیں اماں جان دوا کھا لیں۔کوثر نے گولی نکال کر اماں جان کے ہاتھ پر رکھی اور منتحیٰ کے قریب پڑے سائڈ ٹیبل کو دیکھا۔وہاں پانی کا جگ اور ایک کانچ کا گلاس پڑا تھا۔

منتحیٰ نے کوثر کی نظر کے تعاقب میں دیکھا اور پھر جلدی جلدی میں پانی گلاس میں انڈیلنے لگی لیکن ان کا ہاتھ کانپا اور گلاس سر کر چکنا چور ہو گیا۔

بس ہو گیا کام۔کوثر بڑبڑاتی ہوئی پلٹ گئی۔اماں جان نے بے بسی سے آنکھیں میچ لیں۔منتحیٰ اچھی خاصی شرمندہ ہوئی تھی۔منتحیٰ خاموشی سے اٹھ کر باہر آگئی۔حسنین "میں اسے دیکھ کر آتا ہوں" کہہ کر منتحیٰ کے پیچھے گئے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

منیزہ سڑک پر کھڑی کیب کا انتظار کر رہی تھی۔ایک سفید گاڑی اس کے قریب آ کر رکی اور پسنجر سیٹ کا شیشہ نیچے ہوا۔منیزہ نے کھڑکی سے اندر جھانکا۔ڈرائیور سیٹ پر شہرام بیٹھا تھا۔

آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟ شہرام نے سر نیچے کر کے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔

وہ میں۔۔۔کیب کا انتظار کر رہی تھی۔منیزہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

اندر بیٹھیں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔شھرام نے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔منیزہ نے آس پاس دیکھا وہ اکیلی کھڑی تھی۔پھر کچھ سوچ کر وہ اندر بیٹھ گئی۔شھرام نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

آپ اس وقت گھر کیوں جا رہی تھیں؟ میرا مطلب روز اس وقت گھر جاتی ہیں؟شھرام نے سڑک پر نظریں جمائے کہا۔

نہیں بس آج کام زیادہ تھا تو وقت کا احساس نہیں ہوا۔منیزہ جھجک رہی تھی۔شھرام نے کچھ سوچ کر سر ہلا دیا۔

کہاں جاب کر رہی ہیں؟ شھرام نے سرسری سا پوچھا۔

ایجاد آرکیٹیکچر۔آرکیٹیکچر فرم ہے۔منیزہ کی آواز دھیمی ہو گئی۔شھرام نے اسے دیکھا اور پھر سر ہلا دیا۔باقی سارا راستہ خاموشی میں کٹا تھا۔

پھر گاڑی ایک چار منزلہ بلڈنگ کے سامنے رکی اور منیزہ "شکریہ" کہہ کر گاڑی سے اتر گئی۔شھرام تب تک وہاں کھڑا رہا جب تک وہ بلڈنگ کے اندر نہیں چلی گئی۔پھر شھرام نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

بریرہ اور اصفہ کلاس سے نکل کر باہر آئیں تو سامنے سے ایک لڑکا چلا آ رہا تھا۔بلیک جینز پر میرون گول گلے والی شرٹ پہنے رکھی تھی اور اوپر کالی جیکٹ تھی جو سامنے سے کھلی ہوئی تھی۔وہ لڑکا ان کے پاس آ کر رکا۔وہ ان کا سینیئر تھا۔

آپ دونوں فریشرز ہیں، رائٹ؟ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جی۔بریرہ اور اصفہ نے بیک وقت کہا۔

میں آپ کا سینئر ہوں۔بندے ثوبان فیصل کہتے ہیں۔لڑکے نے اپنا تعارف کروایا۔وہ دونوں خاموش رہیں۔

اب ایسا ہے کہ آپ کیوں کہ نئی ہیں تو یہ آپ کا ویلکم گفٹ۔ثوبان نے ایک چھوٹا سا باکس ان کی طرف بڑھایا۔مسکراہٹ مذید گہری ہوئی۔دونوں کے لب "او" میں سکڑے۔

کھول کے دیکھیں آپ کو پسند آئے گا۔ثوبان نے نے باکس کی طرف اشارہ کیا۔

بریرہ نے باکس پکڑا اور اس کا ڈھکن اٹھایا۔ایک چھپلی اچھل کر اس کے منہ پر آئی۔بریرہ نے چیختے ہوئی باکس دور پھینکا۔

اور ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔آس پاس قہقہے گونجنے لگے۔اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا تو ثوبان پیٹ پر ہاتھ رکھے ہنس رہا تھا۔بریرہ نے آگے پیچھے دیکھا وہاں سب ہنس رہے تھے۔اس ہجوم میں کوئی کھڑا تھا جو ہنس تو نہیں رہا تھا مگر چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ایک لڑکا ویڈیو بھی بنا رہا تھا۔بریرہ فوراً اس لڑکے کی طرف بڑھی۔پیر سے کچھ ٹکرایا، بریرہ نے سر جھکا کر دیکھا تو وہی باکس زمین پر پڑا تھا۔ چھپکلی پلاسٹک کی تھی اور اس کے نیچے سپرنگ لگا تھا۔بریرہ نے باکس اگنور کیا اور اس لڑکے کے سر پر پہنچی۔

بند کرو یہ ویڈیو۔بریرہ اس کے فون چھینتی اس سے پہلے ہی وہ لڑکا پیچھے ہٹا ویڈیو اب بھی بن رہی تھی۔بریرہ اسے گھورتے ہوئے واپس ثوبان تک آئی۔

اسے کہو کہ ویڈیو بند کرے۔میری اجازت کے بغیر تم لوگ مجھے ریکارڈ نہیں کر سکتے۔بریرہ غصے میں اونچا بول رہی تھی۔

کر دیتے ہیں بند لیکن ایک شرط ہے۔ثوبان نے ایک قدم آگے آتے کہا۔بریرہ نے ایک قدم پیچھے لیا۔

ڈرو نہیں شرط خطرناک نہیں ہے۔ثوبان نے یہ کہتے ہوئے اپنی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔اور ایک انڈا نکالا۔

بس اس کو کھانا ہے۔کچا۔لفظ "کچا" پر زور دیا۔بریرہ نے عجیب سا منہ بنایا۔

میں نہیں کھا رہی اور یہ ویڈیو بند کرو۔ابھی۔بریرہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

ویڈیو تو ایک ہی صورت میں بند ہو گی۔ثوبان نے ہاتھ میں پکڑا انڈا ہوا میں بلند کیا ایسے کہ وہ ویڈیو میں کیپچر ہو جائے۔اصفہ سارا وقت خاموش، پریشان کھڑی تھی۔

کسی کی اجازت کے بغیر اس کی ویڈیو بنانا ہراسمنٹ ہوتی ہے۔بریرہ نے وارن کرنے کے انداز میں انگلی دکھائی۔

اچھا؟ تو کیا کرو گی تم؟ ثوبان اسے چیلنج کر رہا تھا۔

میں آخری دفعہ پوچھ رہی ہوں تم ویڈیو بند کرو گے یا نہیں؟ بریرہ کا صبر جواب دے رہا تھا۔ تبھی وہاں ایک بڑی عمر کی خاتون آئیں۔اور سب سٹوڈنٹس کو وہاں سے ہٹانے لگی۔ان کا رعب اتنا تھا کہ سٹوڈنٹس ہٹتے گئے۔پھر وہ ثوبان، بریرہ اور اصفہ کی طرف آئی۔

یہاں کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

کچھ نہیں میم ہم تو بس ان کو ویلکم کر رہے تھے۔وہ ویڈیو بنانے والا لڑکا بھی اب ثوبان کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

میم انہوں نے ہماری اجازت کے بغیر ہماری ویڈیو بنائی ہے۔ان سے کہیں کہ وہ ویڈیو ڈیلیٹ کر دیں۔ وہ خاتون مسکراتے ہوئے بریرہ کی طرف پلٹیں۔

بیٹا اسے ریگنگ کہتے ہیں۔یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے کہ آپ لوگ خود حل نہ کر سکیں۔وہ خاتون کہہ کر مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

تم نے میری شکایت کی؟ ثوبان نے آنکھوں میں غصہ لئے کہا۔

ہاں اور اگر اب تم نے یہ ویڈیو ڈیلیٹ نہیں کی تو میں تمہاری کمپلینٹ ڈین سے کروں گی۔بریرہ بھی اتنے ہی غصے سے بولی۔

ٹھیک ہے۔کرو جو کرنا ہے۔میں بھی دیکھوں کیا بگاڑ لو گی تم میرا۔ثوبان ضد میں آگیا تھا۔بریرہ کچھ کہتی اس سے پہلے کسی نے اسے پکارا۔

بریرہ نے مڑ کر دیکھا وہ ارحم تھا۔بریرہ کو اس ٹکرانا، کتابیں بکھرنا اور موبائل کا ٹوٹنا یاد آیا۔بریرہ نے غیر ارادہ طور پر موبائل اور کتابوں پر گرفت مظبوط کر لی۔

کلاس شروع ہو چکی ہے۔آپ شائد جوائن کرنا چاہیں۔ارحم کہہ کر پلٹ گیا۔بریرہ بھی ثوبان کو گھورتے ہوئے ارحم کے پیچھے چل دی۔اصفہ تو پہلے ہی آگے چل رہی تھی۔

oooooooooooooooooooooooo

وقت گزرتا گیا اور بریرہ کالج میں مصروف ہو گئی، کلاسس بھی باقائدگی سے ہونے لگی تھی۔بریرہ کے بیچ میں 150 سٹوڈنٹس تھے مطلب 50 سٹوڈنٹس کے تین گروپس بنے تھے۔بریرہ اور اصفہ ایک ہی گروپ میں تھیں۔بریرہ یہ سن کر خوش ہوئی تھی مگر اگلے ہی لمحے اس کی ساری خوشی غارت ہو گئی تھی کیونکہ ارحم بھی ان کے گروپ میں ہی تھا۔اس گروپ کو ڈاکٹر شائستہ حمید نے سوپروائز کرنا تھا۔

بریرہ اور اصفہ اپنے گروپ کے ساتھ لیب میں کھڑی تھی۔بریرہ نے ہلکے گلابی رنگ کی ٹراؤزر پر ہم رنگ لمبی شرٹ پہن رکھی تھی۔اس پر سفید لیب کوٹ تھا۔سیدھے، بھورے بال کیچر میں بندھے تھے اور سفید دوپٹہ مفلر کی طرح گلے میں لپیٹا ہوا تھا۔اصفہ نے اس کے بر عکس سفید جینز پر سفید گھٹنوں سے اوپر آتی شرٹ جس کے گلے پر سفید موتی لگے تھے پہن رکھی تھی اور دوپٹہ ندارد۔وہ سب ڈاکٹر شائستہ کا انتظار کر رہے تھے۔ارحم مسکراتا ہوا ان کے قریب آیا۔

ہیلو لیڈیز۔ارحم نے مسکرا کر انہیں مخاطب کیا۔اصفہ نے مسکرا کر سر کو خم دیا لیکن بریرہ خاموش کھڑی رہی۔

پہلی دفعہ ہمارا انٹروڈکشن ٹھیک سے نہیں ہوا تھا۔تو میں نے سوچا ایک دفعہ پھر صحیح۔My self Arham Mujtaba۔اس نے مسکرا کر اپنا تعارف کرویا۔وہ۔مسکراتے ہوئے اتنا اکھڑ مزاج نہیں لگتا تھا جتنا پہلے دن لگا تھا۔

۔I'm Asfa Rohail۔اصفہ نے بھی مسکرا کر تعارف کروایا۔اب وہ دونوں بریرہ کی طرف متوجہ تھے۔بریرہ کی شکل بتا رہی تھی کہ اسے ارحم اور اصفہ کا اس طرح بے تکلف ہونا اچھا نہیں لگا تھا۔

بریرہ کمال۔بریرہ بس اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔بریرہ کو لگا کہ اس کے بعد ارحم چلا جائے گا مگر وہ وہیں کھڑا رہا۔

۔It was nice yo meet you۔ارحم نے مسکرا کر کہا اور اصفہ کی طرف پلٹا۔

ویسے آپ کے نام کا مطلب کیا ہے؟ ارحم دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

اصفہ کا مطلب ہے قابلِ تعریف، اچھی خصوصیات کی مالک۔اصفہ کو اس سے بات کرتے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت لمبے عرصے سے جانتے ہوں۔

میرے نام کا مطلب؟ رحم دل۔اصفہ نے شائد اس کے نام کا۔مطلب پوچھا تھا۔

ویسے آپکا نام بھی بہت یونیک ہے۔ارحم اب بریرہ سے مخاطب تھا۔

نہیں اتنا یونیک تو نہیں ہے۔میں بریرہ نام کی کئی لڑکیوں سے مل چکی ہوں۔بریرہ کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی نرم ہو گیا تھا۔بریرہ سوچ رہی تھی کہ ارحم اتنا برا نہیں ہے لیکن اگلے ہی لمحے اس نے اپنی سوچ پر لعنت بھیجی۔

تو آپ خود بتائیں گی یا آپ چاہتی ہیں کہ میں پوچھ کر آپ کو شرف بخشوں؟ ارحم بظاہر مسکرا کر کہہ رہا تھا۔بریرہ کو کچھ سمجھ نہیں آیا تو ارحم نے کہا "بریرہ کا مطلب؟".

نیک، سچی عورت۔بریرہ نے مختصر سا جواب دیا۔ارحم نے بس سر ہلانے پر اکتفاء کیا۔

بہت ہی عجیب انسان ہے۔بریرہ نے سوچا۔اسے تو ویسے بھی پہلی ہی ملاقات میں اندازے لگانے کی عادت تھی لیکن بریرہ کا یہ اندازہ کتنا صحیح تھا یہ طے ہونا ابھی باقی تھا۔

ارحم کچھ کہنے لگا تھا لیکن اپنے پیچھے ایک دم خاموشی محسوس کر کے پلٹا۔وہاں چالیس سے پینتالیس سالہ ڈاکٹر شائستہ حمید لیمن ییلو سوٹ میں ملبوس، تر و تازہ چہرے کے ساتھ مسکراتی ہوئی کھڑی تھی۔اب

وہ کچھ کہہ رہی تھیں۔بریرہ بھی یہ سوچ کر کہ "شکر اس عجوبے سے جان چھوٹی" ڈاکٹر شائستہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

کنزہ کی آنکھ پیاس کی شدت سے کھلی۔رات کے دو بج رہے تھے۔بیڈ پر دیکھا تو علینہ سو رہی تھی اور سلیمان کی جگہ خالی تھی۔زاویار کا کمرہ سلیمان نے یہ کہہ کر الگ کیا تھا کہ اب وہ بڑا ہو گیا ہے۔کنزہ اور صفیہ (سلیمان کی ممی) نے اعتراض تو بہت کیا مگر زاویار اپنے کمرے میں جلد ہی ایڈجسٹ ہو چکا تھا۔

کنزہ نے سائڈ ٹیبل سے پانی کی بوتل اٹھائی تو وہ خالی تھی۔کنزہ بوتل لئے کچن میں آگئی۔بوتل بھر کر پلٹی تو زاویار اور سلیمان کا خیال ایک ساتھ آیا۔وہ پہلے زاویار کے کمرے کی طرف آئی، دروازہ کھول کے دیکھا تو وہ سو رہا تھا۔کنزہ نے دروازہ آہستہ سے بند کیا اور سٹڈی کی طرف آئی۔کنزہ کو پتا تھا کہ سلیمان اس وقت اگر کمرے میں نہیں تھا تو یہیں ہو گا۔وہ دروازہ کھول کر آئی تو سلیمان لیپ ٹاپ کھولے چیئر پر ٹیک لگائے پیر لمبے کئے بیٹھا تھا۔کنزہ اس کی چیئر کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔

سلیمان سائیکالوجسٹ تھا اور آج کل ایک پندرہ سالہ لڑکی کے کیس پر کام کر رہا تھا۔کراچی میں سٹریٹ کرائم بڑھ گئے تھے اور وہ لڑکی بھی انہیں سٹریٹ کرائمز کا شکار ہوئی تھی۔دو ماہ پہلے وہ لڑکی اپنے بھائی کے ساتھ آئسکریم پارلر پر گئی تھی جہاں دو لڑکوں نے گن پوائنٹ پر انہیں لوٹنے کی کوشش کی تھی۔اس لڑکے نے اپنی بہن کو بچانے کے لئے شور مچایا تو ڈاکوؤں نے فائرنگ شروع کر دی۔دونوں بہن بھائی کو گولی لگی تھی۔اس حادثے میں وہ لڑکی تو بچ گئی تھی مگر اس نے اپنے بھائی کو اپنے سامنے مرتے دیکھا تھا۔اب وہ منظر اسے بار بار ڈراتا تھا۔

یہ وہی لڑکی ہے نا۔کنزہ نے پوچھا تو سلیمان نے خاموشی سے مڑے بغیر گردن اثبات میں ہلا دی۔

اچھا پلیز اب ساری رات جاگتے مت رہئیے گا۔جلدی سو جایئے گا۔کنزہ کہہ کر جانے لگی۔وہ اسے بہت دونوں سے نوٹ کر رہی تھی۔وہ رات کو دیر سے سوتا اور پھر صبح جلدی اٹھ جاتا۔

ہمممم۔سلیمان نے سکرین پر نظر ٹکا رکھی تھی۔

آپ کو کچھ لا دوں؟ کنزہ نے جاتے جاتے پوچھا۔

ہاں۔بس ایک کپ کافی۔سلیمان نے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظر جمائے کہا۔وہ کیس میں اتنا غرق تھا کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ تبھی آواز پر چونکا۔کنزہ ٹیبل پر کافی کا مگ رکھ رہی تھی۔ سلیمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چوما اور دوبارہ کام میں مصروف ہو گیا۔کنزہ کو پتا تھا کہ اب سلیمان ساری رات جاگتے گا۔وہ گہری سانس لے کر نفی میں سر ہلاتی واپس چلی گئی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

بریرہ کی آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا تھا، اتنا اندھیرا کہ آس پاس کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔کوئی دبا دبا سا رو رہو تھا بریرہ کو اس کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔وہ آواز کے پیچھے چلتی گئی۔سسکیاں اونچی ہوتی گئی مطلب وہ رونے والے کے قریب تھی۔وہ احتیاط سے قدم اٹھا رہی تھی تبھی اسے دور کہیں روشنی نظر آئی جیسے سپاٹ لائٹ کی روشنی ہوتی ہے۔اس روشنی میں بریرہ نے دیکھا ایک ہسپتال کا بیڈ تھا۔اس بیڈ پر بیٹھی چودہ پندرہ برس کی لڑکی سر گھٹنوں میں چھپائے رو رہی تھی۔بریرہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔اس لڑکی نے آہٹ پر سر اٹھایا۔اس کے بھورے بال جو، کمر سے نیچے آتے تھے، کندھوں سے پھسل گئے۔بریرہ نے اسکو غور سے دیکھا وہ بے آواز رو رہی تھی۔بریرہ اسے پہچانتی تھی۔ تبھی کسی نے بریرہ کی کان کے قریب سرگوشی کی "تم نے غیرت کے نام پر مردوں کو قتل ہوتے دیکھا ہے کبھی؟"۔بریرہ کا سانس تک رک گیا۔

بریرہ کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھی۔کمرے میں ویسا ہی اندھیرا تھا جیسا اس نے خواب میں دیکھا تھا۔اسے کمرے سے وحشت ہونے لگی۔اس نے اپنے اوپر پڑی چادر اتاری اور دروازے کی طرف بھاگی۔وہ ابھی چوکھٹ میں تھی جب اس کی نظر کچن میں کھڑے محسن پر پڑی۔بریرہ فوراً دیوار کی اوٹ میں چھپ گئی۔محسن اس کی آہٹ محسوس کر چکا تھا۔

بیا۔محسن نے احتیاط سے اس کا نام پکارا جیسے اس شک ہو کہ یہ اسکا وہم تھا۔بریرہ گہرے سانس لیتی خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

آرہی ہوں بھائی۔بریرہ نے آواز دی تو لہجہ نارمل تھا۔ان خوابوں نے اسے یہ ہنر بھی سکھا دیا تھا۔ تھوڑی دیر میں بریرہ بڑی سی چادر میں لپٹی کچن میں کھڑی تھی۔

کچن چھوٹا مگر صاف ستھرا تھا۔سامنے کی دیوار میں ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی جہاں سے پورا لِونگ روم نظر آتا تھا۔اس کھڑکی سے اندر جھانکو تو بریرہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑی تھی اور محسن چولہے کے سامنے کھڑا فرائنگ پین میں مسلسل چمچ چلا رہا تھا۔

آپ اس وقت کیوں جاگ رہے ہیں؟ بریرہ نے محسن کی پشت کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

بھوک لگی تھی تو سوچا پاستا بنا لوں۔تم کھاؤ گی؟ محسن نے پلٹ کر بریرہ سے پوچھا۔تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ویسے آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کوکنگ کرتے ہیں۔بریرہ کے انداز میں ہلکا سا شکوہ تھا۔

ہاں تمہیں بتاتا تاکہ تم ہر روز نت نئی فرمائشوں کے ساتھ میرے سر پر سوار ہو جاؤ۔محسن نے طنز کیا۔کوئی اور وقت ہوتا تو بریرہ ضرور جواب دیتی مگر وہ خاموش رہی۔

اب محسن ابلا ہوا پاستہ اور تلی ہوئی سبزیاں مکس کر رہا تھا۔پھر اس نے پاستہ دو پلیٹوں میں ڈالا اور ایک پلیٹ بریرہ کے سامنے رکھی۔بریرہ نے ایک چمچ منہ میں رکھا اور ستائشی انداز میں محسن کو دیکھا۔

آپکی بیوی بہت خوش قسمت ہو گی۔بریرہ اب دوسرا نوالہ بنا رہی تھی۔

کون خوش قسمت ہو گی؟ محسن نے کھاتے کھاتے رک کر اسے دیکھا۔

آپ کی بیوی۔بریرہ نے دھرایا۔محسن آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھے گیا۔بریرہ چمچ چھوڑ کر اک دم سیدھی ہوئی۔

بھائی؟ بریرہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

آپ بلکل صحیح سوچ رہی ہیں میڈم۔میں ابھی شادی کے متعلق نہیں سوچ رہا اور ہو سکتا ہے میں شادی کروں ہی نہیں۔محسن نے سر جھکا کر کھاتے ہوئے کہا۔

لیکن کیوں؟ بریرہ کو صدمہ ہوا تھا۔

کیوں کیا؟ میری آذادی برداشت نہیں ہو رہی تم سے؟ محسن نے مصنوعی غصے سے کہا۔

میرے اتنے ارمان ہیں بھائیوں کی شادی کے لئے۔ایسے تو نہ کریں۔بریرہ رو دینے کو تھی۔

تو باقی دونوں کی شادی میں اپنے ارمان پورے کر لینا کون منع کر رہا ہے؟ محسن سنجیدہ تھا۔

ان دونوں کو تو آپ رہنے دیں۔شہرام بھائی کی شادی کے دور دور تک آثار نظر نہیں آ رہے اور سعود کو لڑکی کوئی دے گا نہیں۔ایسے میں آپ ایسا کریں گے تو مجھ مصوم پر ظلم ہو گا نا۔بریرہ نے جتنی سمجھداری سے کہا تھا محسن اتنے ہی زور سے ہنسا تھا۔

تمہارے یہ خیالات سعود کو پتا چلے تو صدمے میں آ جائے گا وہ۔محسن ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

تو اس میں جھوٹ کیا ہے؟ بریرہ کندھے اچکا کر دوبارا کھانا شروع کر چکی تھی۔خواب کا اثر زائل ہونے لگا۔بھائی کا ساتھ ہونا بھی کتنی تکالیف بھلا دیتا ہے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

پچھلے چھ ہفتوں سے منیزہ جس پراجیکٹ پر کام کر رہی تھی آخر کار اس کا آرڈر منیزہ کی کمپنی کو مل گیا تھا۔آج کل کام ذرا کم تھا تو آج وہ جلدی گھر آ گئی تھی۔شام کے چھ بج رہے تھے جب اس نے اپنے فلیٹ کی بیل بجائی۔دروازہ محتاب نے کھولا تھا۔

اچھا ہوا آج آپ جلدی آگئی آپی۔ابو پوچھ رہے تھے آپ کا۔محتاب نے ساتھ چلتے ہوئے بتایا۔

ابو گھر پر ہیں؟ منیزہ نے ایک دم رک کر پوچھا۔

ہاں انہیں بخار بھی ہے۔محتاب نے ایک اور پریشانی بتائی۔

اچھا تم یہ میرے کمرے میں رکھ دو میں ابو سے مل لوں۔منیزہ نے اپنا لیپ ٹاپ بیگ اسے تھمایا تو وہ سر ہلا کر منیزہ اور اپنے مشترکہ کمرے کی طرف بھاگی۔

وقاص اپنے کمرے میں بیڈ پر نیم دراز تھے اور فاطمہ ان کے پاس کرسی پر بیٹھی ان کو کھچڑی کھلا رہی تھی۔وقاص بار بار یہ کہہ کر منہ موڑ لیتے کہ "اس کا ذائقہ خراب ہے" اور فاطمہ بار بار ان کو

یہی کہتی کہ "ذائقہ ٹھیک ہے۔آپ کو بخار کی وجہ سے خراب لگ رہا ہے بس"۔اب بھی یہی تقرار جاری تھی۔منیزہ نے ہلکا سا دروازہ بجایا تو دونوں میاں بیوی نے مڑ کر دیکھا۔

آؤ منیزہ۔وقاص سیدھے ہو کر بیٹھے۔فاطمہ نے بھی مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔

کیسی طبیعت ہے؟ منیزہ نے ان کے سامنے سر جھکا کر کہا۔تو انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ان کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

بالکل ٹھیک نہیں ہیں یہ۔فاطمہ نے ان کو بولنے کا موقع نہیں دیا تھا اس پر وقاص فاطمہ کو گھور کر رہ گئے۔

ابو آپ کچھ دن آرام کر لیتے۔منیزہ پریشان ہو گئی تھی۔

ارے کچھ نہیں ہے بس زرا سا بخار ہے۔تمہاری ماں تو ایسے ہی پریشان ہو جاتی ہے۔تم بتاؤ جاب کیسی جا رہی ہے تمہاری؟ وقاص نے بات بدلنے کو کہا۔

میری جاب ٹھیک جا رہی ہے۔منیزہ نے پھیکا سا مسکرا کر کہا۔

اچھا اچھا۔اللہ تمہیں کامیاب کرے۔وقاص اسے دعا دے رہے تھے۔

ابو آپ کے سٹور پر لڑکے ہیں نا۔آپ ہاف ٹائم دے دیا کریں سٹور کو فل ٹائم وہاں بیٹھنا ضروری ہے کیا؟ منیزہ نے سمجھانے کی کوشش کی۔

میں گھر بیٹھ گیا نا تو یہ لڑکے میرا سٹور بیچ کے کھا جائیں گے۔مالک خود سر پر نا ہو تو نوکر کام نہیں کرتے۔وقاص نے نڈھال سی آواز میں کہا۔

میں کب کہہ رہی ہوں کہ چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔بس سارا دن وہاں نہیں بیٹھا کریں۔آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔منیزہ نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

نہیں بھئی نہیں۔ابا جان نے بڑی محنت کی تھی اس سٹور پر میں ایسے غفلت نہیں برت سکتا اس کے ساتھ۔وقاص اب بھی ضد پر قائم تھے۔منیزہ اور فاطمہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

یہ کلاس روم اس وقت خالی تھا۔سعود، شہاب، رمشہ اور عینی یہاں چار کرسیوں کا دائرہ بنائے بیٹھے تھے۔آج حمزہ کو آسٹریلیا جانا تھا۔ان چاروں کا پلین تھا یونیورسٹی کے بعد وہ حمزہ سے ایک ریستوران میں ملنے والے تھے۔

وہ کیوں جا رہا ہے آسٹریلیا؟ رمشہ اس کے جانے سے اداس تھی۔

اس کے مام ڈیڈ وہاں ہیں جانا تو اس کو پڑے گا۔شہاب نے کندھے اچکا کر کہا۔

ویسے لَو سٹوری ادھوری رہ گئی اس کی۔سعود نے سر جھکائے مسکراہٹ دبائے کہا۔رمشہ نے عینی کو کوہنی ماری۔عینی نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔

لَو سٹوری تو کسی اور کی بھی ادھوری ہے۔شہاب نے سر اس کے قریب جھکا کر سر گوشی میں کہا۔سعود کا سانس رک گیا۔

کس کی لَو سٹوری؟ رمشہ نے بامشکل کہا۔سعود نے تنبیہہ کے انداز میں شہاب کو گھورا۔

بس کر دو بھئی۔کسی اندھے کو بھی نظر آ جائے جو کچھ چل رہا ہے یہاں۔شہاب نے سعود کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

یہاں کچھ نہیں چل رہا تجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔سعود نے کہہ کر سر جھکا لیا اور فون میں مصروف ہو گیا۔عینی اور شہاب نے آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔

بھئی پیار کیا تو ڈرنا کیا؟ عینی نے سعود کی سچویشن سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

اچھا؟ سعود نے غور سے عینی کو دیکھتے ہوئے بھنویں اٹھائی۔عینی کا رنگ اڑ گیا۔وہ نفی میں سر ہلاتے کچھ کہنے لگی تھی کہ شہاب کا فون بجنے لگا۔عینی نے شکر کا کلمہ پڑھا۔شہاب نے کال اٹھا کر فون سپیکر پر ڈال دیا۔دوسری طرف حمزہ تھا۔

کہاں ہو سب؟ حمزہ کی آواز اداس تھی۔سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

ہم فری ہیں بس تیری کال کا انتظار تھا۔تو پہنچ گیا؟ شہاب نے فون پر جھکے ہوئے کہا۔

نہیں بس نکلا ہوں گھر سے دس پندرہ منٹ لگیں گے۔حمزہ نے ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔شہاب نے ادھر ادھر کی باتیں کر کے فون بند کر دیا۔اب وہ چاروں یونیورسٹی سے نکل کر ریستوران جا رہے تھے۔

اگلے پندرہ منٹ میں وہ پانچوں ایک ریستوران میں بیٹھے تھے۔کھانا آرڈر ہو چکا تھا۔وہ سب گول ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔شہاب کے برابر میں سعود بیٹھا تھا۔سعود کے ساتھ عینی اس کے ساتھ رمشہ اور رمشہ کے ساتھ حمزہ تھا۔وہ سب اداس تھے اور ان میں سب سے زیادہ اداس حمزہ تھا۔

تو یہ فیئرویل لنچ ہے؟ سعود نے حمزہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

نہیں۔میں وہ چڑیل ہوں جس کی جان تم طوطوں میں ہے۔تم لوگوں کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گا میں۔حمزہ نے اداس سا مسکرا کر کہا۔

ہمیں بھول مت جانا وہاں جا کر۔عینی نے بھی اداسی سے کہا۔حمزہ نے بس سر ہلا دیا۔

کب جا رہے ہو پھر؟ شہاب نے لمبی خاموشی کے بعد پوچھا۔یہ واحد سوال تھا جو کوئی پوچھنا نہیں چاہتا تھا۔

بس یہ ویک اینڈ ہے پھر منڈے کو فلائٹ ہے۔حمزہ نے ایسے بتایا تھا جیسے کسی اور کا ذکر ہو رہا ہو۔

ویٹر ان کا آرڈر دے کر چلا گیا تھا۔اب شہاب سب کو سرو کرنے لگا۔سب کھانا کھاتے ہوئے باتیں کرنے لگے۔

ویسے کچھ کام ادھورے چھوڑ کر جا رہے ہو تم۔سعود نے چمچ منہ کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔اس کا اشارہ عینی کی طرف تھا۔

ادھورے کام پورے کرنے آؤں گا تم فکر مت کرو۔حمزہ نے مسکرا کر کہا۔عینی نے بس نظر اٹھا کر اسے دیکھا پھر نظر جھکا دی۔

کون سے کام؟ ہمیں بھی بتاؤ۔رمشہ نے حمزہ کو چھیڑتے ہوئے کہا۔حمزہ نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

ویسے کسی مہان انسان نے کہا تھا پیار کیا تو ڈرنا کیا۔رمشہ نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔عینی سکون سے کھاتی رہی۔حمزہ نے سر اٹھا کر رمشہ کو دیکھا اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔

ارے ہاں۔کس نے کہا تھا ویسے؟ سعود کو بھی موقع مل گیا۔سعود نے رمشہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔رمشہ نے مسکرا کر شہاب کو دیکھا وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔شہاب نے احتیاط سے سر نفی میں ہلایا۔وہ رمشہ کو منع کرنا چاہ رہا تھا مگر رمشہ نے کہاں باز آنا تھا۔

یاد نہیں آ رہا۔تم یاد دلا دو۔رمشہ معصومیت سے عینی کی طرف مڑی۔عینی نے سکون سے سر اٹھایا اور رمشہ کو دیکھا۔

شکیل بدایونی۔انڈین layricist تھا۔اس نے لکھا تھا یہ گانا۔اور گایا لتا منگیشکر نے تھا۔عینی نے کہہ کر مسکرا کر رمشہ کو دیکھا۔رمشہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی اس نے تو یہ نام بھی پہلی دفعہ سنے تھے۔رمشہ اور عینی ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھی، چیلینج والے انداز میں۔اور باقی تینوں ہنس رہے تھے۔پھر وہ دونوں بھی ہنسنے لگی۔

کچھ دیر بعد کھانا ہو چکا تھا ان سب نے بل میں اپنا اپنا حصہ ڈالا تھا۔اب وہ بل دے کر گاڑی کی طرف جا رہے تھے۔سعود، شہاب ، رمشہ اور عینی کیب سے آئے تھے۔حمزہ اپنے بھائی کی گاڑی لے کے آیا تھا۔اب حمزہ کو ان سب کو ان کے گھر ڈراپ کرنا تھا۔

سب سے پہلے رمشہ کو ڈراپ کیا۔وہ گاڑی سے اترتے اترتے بھی حمزہ کو چھیڑنا نہیں بھولی تھی۔گاڑی میں قہقہے گونجے تھے۔اگلی باری شہاب کی تھی اسے ہوسٹل کے سامنے اتارا۔حمزہ اس سے اتر کر ملا

تھا۔اب گاڑی میں سعود، حمزہ اور عینی تھی۔حمزہ نے سعود کو اتارا اور ہاتھ ہلا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

اب گاڑی میں حمزہ اور عینی اکیلے رہ گئے تھے۔

میں جانے سے پہلے کچھ کہنا چاہتا تھا تم سے۔حمزہ نے سڑک کو دیکھتے ہوئے کہا۔عینی جانتی تھی وہ کیا کہنے والا ہے۔

میں۔۔تمہیں۔عینی نے حمزہ کو بات مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا۔

میں جانتی ہوں۔حمزہ نے سر موڑ کر اسے دیکھا۔عینی سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے کہہ رہی تھی۔

حمزہ میں تمہاری فیلینگز کی قدر کرتی ہوں مگر میں تمہارے لئے وہ محسوس نہیں کرتی جو تم میرے لئے کرتے ہو۔عینی اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔حمزہ نے کچھ نہیں کہا تو وہ دوبارہ کہنے لگی۔

میں تمہارا دل نہیں توڑنا چاہتی لیکن میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اور میرا دل میرے اختیار میں نہیں ہے۔عینی نے کہہ کر حمزہ کا چہرہ دیکھا وہاں کوئی تاثر نہیں تھا۔عینی اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی جب وہ کچھ نہیں بولا تو عینی نے خود اسے مخاطب کیا۔

ہم ہمیشہ دوست رہیں گے۔رہیں گے نا حمزہ؟ عینی نے امید سے پوچھا۔

ہاں ہمیشہ۔حمزہ نے اداسی سے مسکرا کر کہا۔عینی بھی مسکرا دی۔

اس کو پتا ہے؟ حمزہ نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

کیا؟ عینی کو دھچکا لگا تھا۔وہ سمجھتی تھی کہ حمزہ نہیں جانتا ہو گا۔

شہاب کی بات کر رہا ہوں۔وہ جانتا ہے کہ تم اس کو پسند کرتی ہو؟ حمزہ نے اب کے اونچا سا پوچھا۔

پتا نہیں۔ہماری کبھی بات نہیں ہوئی اس بارے میں۔عینی نے کہا۔آگے کا سارا سفر خاموشی میں کٹا تھا۔کچھ دیر بعد وہ جب گاڑی سے اتری تو اسے اپنے پیچھے حمزہ کی آواز سنائی دی۔

اسے بتا دو۔دیر مت کرنا عینی۔حمزہ نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔عینی سر ہلا کر گھر کے اندر چلی گئی۔ حمزہ کچھ دیر بعد گاڑی زن سے آگے لے گیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

شہرام نجمہ بیگم کے پیروں کے پاس بیٹھا ان کے پیر دبا رہا تھا۔نجمہ بیگم آج پہلے سے زیادہ نحیف لگنے لگی تھی۔بات کرتے کرتے کھانسنے بھی لگتی تھی۔آج شہرام اکیلا آیا تھا اور اس بات کو نجمہ بیگم نے محسوس کر لیا تھا۔

کوثر کچن میں تھیں۔شہرام کے منع کرنے کے باوجود بھی وہ کچن میں گھسی نا جانے کیا کیا تکلفات کر رہی تھیں۔حال احوال پوچھا جا چکا تھا۔اب ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔

اکیلے آئے ہو؟ نجمہ بیگم نے مغموم لہجے میں پوچھا۔

جی دادی۔شہرام اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ پایا۔لمبی خاموشی رہی۔پھر اس خاموشی کو ٹرالی کے ٹائیرز کی چرچراہٹ نے توڑا۔کوثر ٹرالی گھسیٹتی ہوئی لا رہی تھی۔ٹرالی میں چائے، بسکٹ، سموسے وغیرہ رکھے تھے۔

اس کی ضرورت نہیں تھی پھوپھو۔آپ نے ایسے ہی اتنا تکلف کیا۔شہرام نے مسکرا کر کہا۔

بھئی اتنے دنوں بعد آئے ہو یہ تو کچھ نہیں ہے۔کوثر نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔پھر وہ اپنے ہاتھ سے اس کے لئے چائے اور لوازمات نکالنے لگی۔شہرام نے مسکرا کر ان کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑا۔

تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ اماں جان نے شہرام کو دیکھ کر پوچھا۔

ابھی سوچا نہیں اس بارے میں۔شہرام نے کندھے اچکا دئے۔

تم نے تھوڑا ہی سوچنا ہے یہ کام تو تمہاری ماں کا ہے۔اسے ہوش ہی کہاں ہے پر۔آخری جملہ کوثر نے خود کلامی کے انداز میں کہا لیکن شہرام نے سن لیا تھا۔

ایسا نہیں ہے پھوپھو۔میں خود ابھی اس بارے میں نہیں سوچ رہا۔شہرام کی آواز سے پتا چلتا تھا کہ اسے اپنی ماں کا اس طرح ذکر کیا جانا اچھا نہیں لگا تھا۔

تو کب سوچو گے؟ نجمہ بیگم نے نقاہت زدہ آواز میں کہا۔

آپ ٹھیک ہو جائیں پھر مل کر سوچتے ہیں۔شہرام نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مسکرا کر کہا۔

اب ٹھیک ہونے کا تو نہیں پتا۔بس اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھنا چاہتی ہوں۔نجمہ بیگم کہہ کر کھانسنے لگی۔شہرام نے گہری سانس لی اور سر کو خم دیا۔

پھر آپ کوئی لڑکی دیکھیں اور حکم سنا دیں اماں جان۔کوثر نے چہک کر کہا۔شہرام مسکرا دیا۔

اگلی دفعہ ماں کو لے کر آنا اسے سناؤں گی حکم۔نجمہ بیگم نے شہرام کا ہاتھ تھپتھپا کر کہا۔

جی دادی ضرور۔شہرام چائے ختم کر چکا تھا۔اب وہ اٹھنے کی تیاری میں تھا۔

کھانا کھا کر چلے جانا۔نجمہ بیگم نے اسے روکنا چاہا۔شہرام نے ان کا ہاتھ پکڑ کر چوما۔

ماما کے ساتھ آؤں گا نا دادی پھر کھانا کھا کے جاؤں گا۔شہرام نے مسکرا کر کہا۔نجمہ بیگم نے مسکرا کر سر ہلایا۔شہرام کوثر کی طرف بڑھا۔کوثر نے اس کا سر چوم کر اسے دوبارہ لازمی آنے کی تاکید کی۔وہ ان دونوں کو سلام کرتا باہر آگیا۔اسے گھر جانا تھا۔سارا راستہ وہ دادی کی باتیں سوچتا آیا تھا۔اب واقعی آگے بڑھ جانا چاہئیے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

سعود نیلی جینز پر میرون گول گلے اور آدھی آستینوں والی شرٹ پہنے، گہری بھوری آنکھیں سکیڑے کلاس میں بیٹھا پروفیسر کو سن رہا تھا۔موبائل عادتاً جیب سے نکال کر سامنے ڈیسک پر رکھا ہوا تھا۔موبائل سائلینٹ تھا کال آنے پر فون کی سکرین بار بار روشن ہوتی جسے وہ مسلسل اگنور کر رہا تھا۔

اٹھا لے۔ محبوبہ ہو گی۔شہاب نے جو اس کے برابر بیٹھا تھا اس کے قریب جھکا اور مسکرا کر سرگوشی کی۔

کلاس کے بعد تفصیل سے بات کروں گا سمجھا کر۔سعود نے بھی مسکراہٹ دبا کر کہا۔

کلاس ختم ہونے کے بعد سعود اور شہاب کیفے میں اپنے مخصوص سپاٹ پر بیٹھے عینی اور رمشہ کا انتظار کر رہے تھے۔سعود نے محسن کو کال ملا کر فون کان سے لگایا۔

آپ کی کال آ رہی تھی بھائی۔میں کلاس میں تھا۔سعود نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے کہا۔محسن نے شائد کال نہ اٹھانے کی وجہ پوچھی تھی۔

اچھا سنو ایک کام ہے تم سے۔محسن نے مصروف سے انداز میں کہا۔

آپ نے خدمت کا موقع دیا۔نوازش ہے آپ کی۔سعود نے مسکرا کر شرارت سے کہا تھا لیکن اگلے ہی لمحے وہ اچھل کر سیدھا ہوا۔

شہرام بھائی جان سے مار دیں گے۔ محسن کا کام سن کر سعود کی ساری شرارت ہوا ہوئی تھی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

شہرام نے ہارن دیا تو سعود گیٹ کھولنے کے بجائے چھوٹا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ بھوری جینز پر لال پوری آستینوں والی گول گلے کے شرٹ پہنے وہ تیار لگ رہا تھا۔ سعود ڈرائیونگ سیٹ کی کھڑکی کے قریب آیا۔ کھڑکی کا شیشہ شہرام نے پہلے ہی نیچے کر رکھا تھا۔

بھائی گاڑی دیں گے؟ دوستوں کے ساتھ جانا ہے پلیز۔ سعود نے معصوم شکل بنا کر کہا۔ شہرام نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا اور پھر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ شام کے سات بج رہے تھے۔

شہرام نے دروازہ کھولا اور نیچے اتر آیا۔ سعود نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور دروازہ بند کیا۔ شہرام دونوں بازو کھڑکی میں رکھ کر جھکا۔

دھیان سے جانا اور دس بجے سے پہلے واپس آجانا۔ شہرام اسے تنبیہہ کر کے اندر چلا گیا۔

اگلی صبح جب شہرام آفس کے لئے نکلا تو گاڑی کا ٹائر پنکچر تھا۔دل تو کیا سعود کا سر پھاڑ دے مگر اس سے ٹائر تھوڑا ہی ٹھیک جانا تھا۔وہ بے بسی سے سر جھٹکتا واپس اندر آیا۔سعود ناشتے کی ٹیبل پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

آئیندہ میری گاڑی کو ہاتھ مت لگانا۔شہرام غصے سے کہتا حسنین کے کمرے کی طرف بڑھا۔حسنین نے اسی وقت دروازہ کھولا۔وہ اس وقت شہرام کو اپنے کمرے کی طرف آتے دیکھ کر ٹھٹھکے۔

بابا لفٹ دیں گے پلیز میری گاڑی کا ٹائر پنکچر ہے۔شہرام نے کہا تو حسنین نے غصے سے جبڑا بھینچ کر سعود کو دیکھا۔

اور دو اس نکمے کو گاڑی۔حسنین شہرام کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے باہر نکل گئے۔شہرام بھی ان کے پیچھے باہر نکل گیا مگر جاتے جاتے بھی سعود کو گھورنا نہیں بھولا تھا۔سعود ان کو دیکھتا رہا جب تک وہ دروازے کے پیچھے غائب نہیں ہو گئے۔وہ واپس پلٹا تو منتحیٰ بھی اس کو غصے سے دیکھ رہی تھیں۔

اچھا ہو جاتی ہے غلطی۔آپ سب تو پیچھے پڑ جاتے ہیں۔سعود رونی صورت بنا کر اٹھا اور شہرام کی گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔

اب کہاں؟ منتہیٰ نے پیچھے سے پکارا۔

ٹائر چینج کروانے ورنہ آپ سب نظروں نظروں میں مجھے کچا چبا جائیں گے۔سعود ناراض سا کہتا باہر نکل گیا۔

اس کا کچھ نہیں ہو سکتا۔منتہیٰ نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا اور ناشتے کے برتن سمیٹنے لگی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

Welcome in to prime urdu novels & publications.

پرائم اردو ناولز میں خوش آمدید۔

پرائم اردو ناولز میں بحیثیت لکھاری شمولیت اختیار کریں اور اپنی تحریروں، ناولز، افسانوں کا پی ڈی ایف لنک حاصل کریں۔اور دنیا بھر میں ہماری ویب سائیٹ کے لاکھوں قارئین تک اپنی تحریر ایک کلک میں پہنچائیں۔

اگر آپ اپنی تحریروں کو کتابی شکل میں محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو خصوصی ڈسکاؤنٹ پر آپ کی مرضی کی تعداد میں کتابیں بنا کر دیں گے۔

ہمارے گروپ میں اپنی تحریر اپنے پیج لنک کے ساتھ پوسٹ کریں اور اپنے پیج کی پروموشن کے لئے اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

اپنے پیج پر ہماری ویب سائیٹ کا پی ڈی ایف لنک شیئر کر ک اپنے ریڈرز کو پی ڈی ایف سے آف لائن ناولز پڑھنے کی سہولت فراہم کریں۔

اپنے ناولز کو ویبسائیٹ کے ساتھ ساتھ دیگر سٹریمنگ پلیٹ فارمز جیسے یو ٹیوب پر بھی پڑھنے کی سہولت فراہم کریں اپنے ریڈرز کو۔

اپنی تحریروں کے لئے دیدہ زیب اور دلکش ٹائٹل اور پروموشنل پوسٹ بنوانے کے لئے ہمارے گرافک ڈیزائنر کی خدمات مفت حاصل کریں۔

اگر آپ کو اپنی تحریروں کو لکھنے میں راہنمائی کی ضرورت ہو تو ہماری ٹیم میں موجود سینئر لکھاری آپ کو مکمل راہنمائی فراہم کریں گے۔

تو پھر دیر کس بات کی، ابھی ہمارے گروپ کو جوائن کریں اور اپنی تحریر پوسٹ کریں اور ہماری ٹیم کا حصہ بن جائیں۔کیوں کہ ہم اپنے سب لکھاریوں کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں۔مزید معلومات کے لئے ہمیں میسنجر پر انبکس کریں یا واٹس ایپ پر رابطہ کریں۔

Whatsapp : 03335586927

Prime Urdu Novels Group Link

https://www.facebook.com/groups/517883045059344/

شاہ نواز اپنے آفس میں ٹیبل کے پیچھے کھڑا تھا۔اس کے سامنے رکھی کرسیوں پر زوہا اور عالیان بیٹھے تھے۔ان کے درمیان میں وہی تصویر رکھی تھی۔ٹیبل پر جھک کر کھڑے شاہ نواز کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور سیاہ آنکھیں بے تاثر تھی۔

اس لڑکی کو محسن نے نیاز کے ساتھ دیکھا تھا۔اس لڑکی کا اس سے کیا تعلق ہے ابھی تک پتا نہیں چلا۔شاہ نواز ان کو ڈانٹ رہا تھا۔

محسن کو طاہر کے گروپ کے متعلق کچھ انفارمیشن ملی ہے ہے۔محسن اگلے ہفتے یہاں آرہا ہے پھر بات ہو گی اس پر، وہ فون پر بات نہیں کرنا چاہتا۔تب تک اس لڑکی کو ڈھونڈ کر اس پر نظر رکھو اور اس کی ساری معلومات نکال کر دو۔وہ دونوں خاموشی مگر دھیان سے سن رہے تھے۔شاہ نواز نے ان دونوں کے چہروں کو غور سے دیکھا تھا لیکن کہیں کوئی ایسا تاثر اسے نہیں ملا تھا کہ وہ کوئی اندازہ لگا سکتا۔

شاہ نواز کی شخصیت کا متجسس پہلو اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا۔اس کی ہلکی نیلی آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔

وہ الجھن کا شکار تھا اوپر سے محسن کی راز رکھنے کی یہ عادت۔اف!

ان سے دور سعود نیاز بیگ کی ورک شاپ پر کھڑا تھا۔کالی شلوار قمیض پر کالی واسکٹ پہنے، چہرے پر ہلکی سی داڑھی تھی اور آنکھوں پر عینک لگا رکھی تھی۔اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جو اسے نیاز بیگ کو دینا تھا، سعود اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

عینک کے پیچھے سے ورک شاپ کو غور سے دیکھتا وہ سوچ میں گم تھا۔قریب ہی نیاز کی ورک شاپ پر کام کرنے والا لڑکا شہرام کی گاڑی کے ساتھ زمین پر بیٹھا اس کا پنکچر ٹائر دیکھ رہا تھا۔ٹائر میں نظر آتا منظر ماضی میں بدلا۔سعود شاہ نواز کے سامنے کھڑا تھا۔

اس کے ہاتھ میں نقلی داڑھی، نظر کا جعلی چشمہ اور ایک کاغذ تھا۔اس کاغذ پر صرف ایک لفظ لکھا تھا۔اس لفظ کا مطلب نہ سعود کو پتا تھا نہ شاہ نواز نے بتایا۔شاہ نواز نے نیاز بیگ کی دوکان کا بزنس کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

اس دوکان پر جانا اور اس شخص کو یہ کاغذ دے دینا۔شاہ نواز اس کو نیاز بیگ کی تصویر دکھا رہا تھا۔

آپ لوگ کیا کروا رہے ہیں مجھ سے؟ سعود نے اپنے ہاتھ میں پکڑا سامان دیکھ کر پوچھا۔

کچھ اللیگل۔شاہ نواز نے مسکرا کر اسے آنکھ ماری۔سعود اسے محسن کے توسط سے جانتا تھا اور ان دونوں کی بے تکلفی کی وجہ محسن اور شاہ نواز کی دوستی تھی۔

اللہ کو مانیں یار۔کہیں پھنسا نہ دینا مجھ معصوم کو۔سعود نے دہائی دی تھی۔

اوور ایکٹنگ مت کرنا، نہیں پھنسو گے۔شاہ نواز نے اس کا کندھا تھپتھپا کر کہا۔سعود کو اپنا کندھا تھپتھپاتا ہوا کسی کا ہاتھ محسوس ہوا وہ حال میں واپس آیا۔

اس نے گردن موڑی تو پیچھے کھڑے لڑکے نے سر کے اشارے سے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔سعود اس کے پیچھے چلنے لگا۔وہ لڑکا اسے لئے ورک شاپ کے اندر آیا۔اندر نیاز بیگ ٹیبل کے پیچھے کرسی پر بیٹھا تھا اور سعود کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

کس نے بھیجا ہے یہاں؟ نیاز بیگ نے اس کی ذرا بڑھی ہوئی داڑھی اور آنکھوں پر لگے چشمے کو دیکھ کر کہا۔

آہمم یہ دیا تھا آپ کے لئے اس نے۔سعود نے کاغذ کا وہ ٹکڑا نیاز بیگ کو دیا۔

ہمم۔بیٹھ جا۔نیاز بیگ نے ہاتھ سے سامنے پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

سعود بیٹھنے لگا لیکن پیر کرسی کے ساتھ اٹکا اور سعود نے گرتے گرتے ٹیبل کا کونہ تھام لیا۔نیاز بیگ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر فون نکال کر نمبر ملایا اور فون کان سے لگا کر اٹھا اور ذرا دور جا کھڑا ہوا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سامنے آ کر بیٹھا تو خاموش گہری نظروں سے سعود کو دیکھ رہا تھا۔سعود کا دل لرزنے لگا۔"کیا میں پکڑا گیا" یہ پہلا خیال تھا جو سعود کے ذہن میں آیا تھا۔سعود کا دل کانپا تھا مگر چہرہ سنجیدہ رہا۔نیاز ذرا سا آگے جھکا اور اس کی داڑھی پکڑ کر کھینچ دی۔سعود اس کے لئے تیار نہیں تھا، بوکھلا گیا۔اس نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر تبھی ساتھ کھڑے لڑکے نے گن نکال کر اس کے سر پر رکھی اور ٹریگر دبا دیا۔دھماکے کی آواز آئی اور۔۔۔۔

اور سعود واپس ہوش میں آیا۔نیاز بیگ اس کے سامنے ٹیبل پر ایک چھوٹا سا بیگ رکھ کر اب بیٹھ رہا تھا۔سعود نے محتاط سا آس پاس دیکھا۔وہ اور نیاز بیگ وہاں اکیلے تھے۔سعود نے گہری سانس لی اور بیگ کھولا اس میں سفید پڑیاں تھی۔سعود نے مسکرا اس کے ہاتھ ملایا اور بیگ لئے گاڑی تک آیا اور بیگ ڈگی میں ڈالا تب تک شاگرد لڑکا ٹائر بدل چکا تھا۔اب اسے جلد از جلد یہاں سے نکلنا تھا۔

پیسے یہاں پہنچا دینا۔نیاز بیگ نے ایک پتا اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔سعود اثبات میں سر ہلاتا ڈرائیونگ سیٹ تک آیا اور گاڑی نکال لے گیا۔اب اسے واپس شاہ نواز کے پاس جانا تھا۔

آگے جو کرنا ہے خود کریں۔بچے کو موت کے کنویں میں پھینک دیا۔یہ بھی نہیں سوچا کہ میری تو ابھی شادی بھی نہیں کوئی۔گاڑی ہوا کی رفتار سے بھگاتا سعود پیشانی سے پسینہ پونچھتا، مسلسل کانپتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

ایک دفعہ پھر امتحانات کا سیزن آ چکا تھا۔بریرہ کا پہلا سال مکمل ہوا تھا۔امتحانات شروع ہو چکے تھے۔آج کل سارا دن کالج اور پھر پڑھائی میں گزر جاتا۔سر اٹھانے کی فرصت بھی نہیں تھی۔کھانا بھی

محسن کمرے میں دے جاتا تھا تو وہ کھا لیتی تھی ورنہ وہ بھی نہیں۔ایک دو بار تو محسن نے سخت ڈانٹا تھا لیکن پھر وہ بھی خاموش گیا۔

اب بھی وہ اپنے کمرے میں کتابیں لئے بیٹھی تھی۔محسن دو بار آواز دے کر جا چکا تھا۔اب محسن نے نہ آواز دی نہ دروازہ بجایا۔وہ سیدھا اندر آیا اور بریرہ کے ہاتھ سے کتابیں لے لی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے لگا۔

بھائی میرا کل ایگزام ہے۔وہ روہانسی ہو کر بولی۔بال جوڑے میں بندھے تھے۔رات والا رف سا ٹراؤزر شرٹ پہن رکھا تھا۔ایک پنسل ہاتھ میں تھی اور دوسری جوڑے میں پھنسا رکھی تھی۔کمرے میں کتابوں، نوٹس، فوٹو سٹیٹز کا انبار جگہ جگہ بکھرا پڑا تھا۔

تمہاری یہ گندی عادت نہیں گئی نا؟ محسن کوفت کا شکار لگتا تھا۔

کون سی گندی عادت؟ بریرہ نے منہ بنا کر کہا جیسے اسے بہت برا لگا ہو۔

اپنی اور اس کمرے کی حالت دیکھو۔جب بھی امتحان آتے ہیں تمہارے کمرے میں طوفان کیوں آ جاتا ہے؟ محسن کمرے میں نظر دوڑاتا کہہ رہا تھا۔

آپ کیوں آئے تھے؟ مجھے ڈانٹنے کے لئے؟ بریرہ نے جیسے یاد دلانے کو پوچھا۔

میں آیا تھا تمہیں کھانے پر بلانے۔اٹھو اور اٹھ کر کھانا کھاؤ۔شاباش۔محسن اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کر چکا تھا۔

بھائی بہت رہتا ہے پڑھنے والا۔بریرہ اب بھی ضد کر رہی تھی۔

پڑھ لینا یار پہلے کچھ کھاؤ۔محسن کو بریرہ کی اس حرکت سے سخت چِڑ تھی۔وہ امتحانات میں کھانا پینا بھول جاتی تھی۔

محسن نے اسے اپنے سامنے بیٹھا کر کھانا کھلایا۔وہ ایسے کھا رہی تھی جیسے یہ اس کا آخری کھانا ہو۔ابھی منہ سے نوالہ ختم نہیں ہوتا تھا کہ دوسرا نوالہ تیار ہوتا تھا۔

آہستہ کھاؤ بیا۔کوئی پیچھے پڑا ہے کیا؟ محسن کو اسے ایسے کھاتے دیکھ کر ابکائی آئی تھی۔

میرا گریڈ خراب ہوا نا تو آپ ذمہ دار ہو گے۔بریرہ نے نوالہ چباتے، انگلی اٹھا کر کہا۔

نہیں ہوتا تمہارا گریڈ خراب یار۔عجیب ہو تم۔محسن نے پیشانی پیٹ کر کہا تھا۔

تنگ نہ کریں۔مجھے ابھی بہت سارا پڑھنا ہے اور ٹائم بالکل بھی نہیں ہے۔بریرہ کھانے کے درمیان بول رہی تھی۔

اچھا کھانے کے درمیان تو مت بولو۔محسن جی بھر کے اکتایا تھا۔بریرہ جلدی جلدی کھا کر کمرے کے دروازے کے پیچھے غائب بھی ہو چکی تھی اور ادھر محسن نے ابھی چند ہی نوالے لئے تھے۔

یہی روٹین پورا مہینہ چلتی رہی تھی اور بالآخر بریرہ کے امتحانات ختم ہوئے گئے۔محسن نے شکر کا کلمہ پڑھا۔اب ان دونوں کو واپس اسلام آباد جانا تھا۔دونوں اسی کی تیاریوں میں تھے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

رات کے اڑھائی بجے کا وقت تھا اور بریرہ ابھی تک جاگ رہی تھی۔اسے کوشش کے باوجود بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔وہ فون پر فیس بک کھولے سکرول کر رہی تھی۔سلیبرٹیز کے انٹرویوز، رشتہ داروں کے بچوں کی تصاویر، کسی دوست کے پالتو کتے کی ویڈیو۔بریرہ بے دلی سے سکرول کرتی اچانک رک گئی۔سامنے suggested friends کی لسٹ نظر آ رہی تھی۔اس میں تیسری آئی ڈی رمشہ رحمٰن کی تھی، نیچے میوچل فرینڈز میں سعود کا نام لکھا تھا۔بریرہ, سعود کے دوستوں کو ناموں سے جانتی تھی مگر کبھی ان سے ملی نہیں تھی۔بریرہ نے رمشہ کی پروفائل کھولی اور اس کی پروفائل پکچر زوم کر کے دیکھنے لگی۔

یہ کالج کے فیئر ویل کی تصویر تھی۔اس تصویر میں رمشہ اور عینی مسکراتی ہوئی آگے کھڑی تھیں اور ان کے پیچھے عجیب و غریب شکلیں بناتے سعود، حمزہ اور شہاب نظر آ رہے تھے۔اگلے لمحے وہ رمشہ کی پروفائل دیکھ رہی تھی۔رمشہ فیس بک پر کافی ایکٹو تھی۔اس نے پچھلے تین سالوں میں لاتعداد تصاویر اپلوڈ کی تھیں اور ہر تین میں سے دو تصاویر میں وہ اور سعود اکٹھے ہوتے تھے۔کبھی اکیلے کبھی پورے گروپ کے ساتھ۔زیادہ تر تصاویر کالج کی تھی باقی چند ایک تصاویر یونیورسٹی کی تھیں۔بریرہ اور سعود ہمیشہ پارٹنر ان کرائم رہے تھے لیکن اب پچھلے تین سالوں میں اس کی جگہ کسی اور نے لے لی تھی۔بریرہ کو عجیب سی جلن محسوس ہوئی تھی۔

بریرہ کچھ دیر ان تصاویر کو دیکھتی رہی پھر اس نے بغیر کچھ سوچے friend request کا بٹن دبا دیا۔ فیس بک نے اطلاع دی کہ دوستی کی درخواست بھیجی جا چکی ہے۔اب بریرہ تذبذب کا شکار ہونے لگی۔"پتا نہیں وہ کیا سوچے گی" یہ سوچ کر بریرہ نے سر جھٹکا اور friend request کینسل کرنے لگی تبھی موبائل نے اطلاع دی کہ دوستی کی درخواست منظور کر لی گئی ہے۔بریرہ نے ایک دم اپنا سر پیٹ کر موبائل بیڈ پر الٹا ڈال دیا۔اگلے لمحے موبائل پھر زوں زوں کرنے لگا بریرہ نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔رمشہ نے اسے میسج کیا تھا۔

ہائے۔ساتھ ایک مسکراتا ایموجی تھا۔بریرہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر گہری سانس لی۔

ہیلو۔بغیر کسی ایموجی کے میسج بھیج دیا تھا۔

تم بریرہ ہو نا۔سعود کی بہن؟ رمشہ کا جواب سکرین پر جگمگا رہا تھا۔

ہاں۔بریرہ کوشش کے باوجود بھی رمشہ کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو پا رہی تھی۔

میں اس کی دوست ہوں۔ہم کالج فیلوز ہیں۔بریرہ نے اس کا جواب نہیں دیا۔

کیسی ہو تم؟ رمشہ کا میسج دوبارہ آیا تھا۔

ٹھیک ہوں۔بریرہ نے مختصر سا جواب دیا۔

تم لاہور میں رہتی ہو نا؟ رمشہ نے کہا۔

ہاں۔میں لاہور میں رہتی ہوں۔بریرہ بس جلد از جلد اس سے پیچھا چھڑانا چاہ رہی تھی۔لیکن رمشہ پیچھا چھوڑنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

سعود نے بتایا تھا۔بہت اداس تھا وہ تمہارے جانے سے۔کیسے گھر سے دور رہ لیتی ہو؟ مشکل نہیں ہوتی؟ رمشہ کا میسج فوراً آیا تھا۔بریرہ کو عجیب سی کوفت ہوئی تھی۔

شروع میں مشکل تھا لیکن اب ٹھیک ہے۔بریرہ نے میسج بھیجا۔

تم ڈاکٹر بن رہی ہو؟ اگلے ہی لمحے رمشہ کا جواب آیا۔

ہاں۔تم کو سعود نے بتایا ہو گا؟ بریرہ کے چہرے پر بےزاری در آئی تھی۔

ہاں تمہارا اکثر ذکر کرتا ہے۔تم دونوں بہت کلوز ہو شائد۔رمشہ نے کہا۔

ہاں کافی کلوز ہیں ہم۔خیر مجھے صبح جلدی اٹھنا ہے سو گڈ نائٹ۔بریرہ نے اس کی چیٹ میوٹ کر دی۔ کیوں؟ بریرہ کو خود بھی سمجھ نہیں آیا تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

عزہ نیلی قمیض، جس پر زرد پھول کڑھائی کئے گئے تھے، ہم رنگ ٹراؤزر کے ساتھ پہنے کچن میں کھڑی تھی۔ساتھ زرد رنگ کا دوپٹا تھا جو اس وقت کچن کاؤنٹر پر پڑا تھا۔یہ کپڑے کبھی رمشہ کے ہوا کرتے تھے اس لئے عزہ کو ذرا کھلے تھے۔بھورے بال گول مول جوڑے میں لپیٹ رکھے تھے اور سنجیدہ سیاہ آنکھیں چولہے پر مرکوز تھیں۔

عزہ دوپہر کے لئے کھانا بنا رہی تھی۔ تبھی بیل بجی۔عزہ نے مڑ کر گھڑی دیکھی۔دوپہر کا ایک بجا تھا۔ اس وقت تو کوئی نہیں آتا تھا۔عزہ ذرا پریشان سی دوپٹہ سر پر ٹکاتی دروازے کی طرف آئی۔

کون؟ عزہ نے دروازے کے پیچھے سے پوچھا۔

گیس کرو۔مردانہ آواز آئی۔عزہ نے فوراً دروازہ کھولا۔

خضر بھائی۔عزہ ایکسایٹڈ سی بولی۔سامنے مسکراتا ہوا کھلی رنگت، لمبے قد اور گھنی مونچھوں والا خضر کھڑا تھا۔سرمئی آنکھیں دھوپ کے باعث سکیڑ رکھی تھیں۔ہلکے بھورے بال، جو دھوپ میں سنہرے لگتے تھے، پیچھے کو سیٹ کر رکھے تھے۔عزہ نے دروازے سے ہٹ کر راستہ دیا۔خضر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اندر آگیا۔عزہ نے گردن دروازے سے باہر نکال کر جھانکا اور مایوس سی اس کے پیچھے آئی۔

آپ اکیلے آئے ہیں؟ پھوپھو نہیں آئیں؟ عزہ نے اداس لہجے میں کہا۔

نہیں گڑیا میں آفس سے آ رہا ہوں۔خضر اب اندر آ چکا تھا۔

کون آیا ہے؟ نگینہ آنکھیں ملتی ہوئی کمرے سے باہر آئی وہ غالباً سو رہی تھیں۔

ارے خضر کیسے ہو بیٹا؟ آؤ بیٹھو۔آپا نہیں آئیں؟ خضر کو دیکھ کر وہ اک دم ٹھٹھکی۔

نہیں ممانی جان۔میں آفس میں تھا گھر جا رہا تھا تو سوچا ماموں سے مل لوں۔وہ گھر پر نہیں ہیں کیا؟ خضر نے مصروف انداز میں پوچھا۔

نہیں۔زمینیں دیکھنے گئے ہیں۔رات شائد وہیں رکیں گے۔نگینہ نے بیٹھتے ہوئے کہا ساتھ اس کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بھی سامنے بیٹھ گیا۔عزہ اب تک کھڑی تھی۔

تم کیا سر پر کھڑی رہو گی؟ جاؤ چائے کا انتظام کرو۔عزہ فوراً پلٹی مگر نگینہ آواز دے کر روک لیا۔

بلکہ رکو۔ایسا کرو کھانا بنا لو۔خضر کو منع کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔عزہ گردن ہلاتی پلٹ گئی۔

آج تم کھانا یہیں کھا کر جانا۔اب وہ خضر سے مخاطب تھیں۔

رہنے دیں ممانی جان پھر کھا لوں گا کھانا۔ابھی امی انتظار کر رہی ہوں گی۔خضر نے کہا۔

لو یہ کونسا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ابھی آپا کو اطلاع دے دیتے ہیں۔عزہ میرا فون لانا ذرا۔نگینہ نے عزہ کو آواز دی۔اور اگلے لمحے وہ حفضہ (خضر کی والدہ) کو کال کر کے فون کان سے لگا چکی تھیں۔

اسلام و علیکم آپا۔کیسی ہیں؟ نگینہ نے مسکرا کر پوچھا۔

جی آپا میں، خان اور بچیاں بھی ٹھیک ہیں۔دوسری طرف سے حال پوچھا گیا تو نگینہ نے کہا۔

اچھا میں نے یہ بتانے کو فون کیا تھا کہ خضر تو عید کا چاند ہے کبھی کبھی نظر آتا ہے۔آج نظر آیا تو میں روک لیا۔اب کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دوں گی اسے۔آج یہ ہمارا مہمان ہے۔نگینہ کہہ رہی تھیں اور خضر گردن جھکائے ہنس رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں ڈائننگ روم میں کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔کھانا کھایا جا چکا تھا اور اب چائے کا دور چلا تھا۔عزہ ہمیشہ کی طرح کچن میں تھی۔اس نے دوپٹہ ایک کندھے پر ڈال کر اسے کمر پر دوسری طرف باندھ رکھا تھا۔ایک ہاتھ میں پلیٹ اور دوسرے ہاتھ میں سفنج پکڑے وہ پلیٹ دھو رہی تھی۔تبھی دروازہ کھلا۔عزہ نے پیچھے ہو کر دیکھا بیرونی دروازے سے رمشہ اندر آ رہی تھی۔

رمشہ نے کالی جینز پر کالی شرٹ پہن رکھی تھی جو گھٹنوں سے کافی اونچی تھی۔اس کے بازوؤں اور دامن کے کنارے پر چھوٹے چھوٹے گول شیشے لگے تھے۔کالے بالوں کو اونچی پونی میں باندھے ہلکا سا میک اپ کئے وہ تھکی تھکی سی لگ رہی تھی اور سیاہ آنکھیں بیزار تھیں۔ڈائننگ روم سے آتی آوازوں پر وہ ٹھٹھکی۔

کوئی آیا ہے؟ اس نے کچن کے دروازے سے اندر جھانک کر پوچھا۔

خضر بھائی آئے ہیں۔عزہ نے مختصر سا جواب دیا۔رمشہ نے اکتاہٹ سے آنکھیں گھمائیں۔وہ کمرے میں جانے کو پلٹی تو پیچھے خضر کھڑا تھا۔

اسلام و علیکم۔خضر نے چمکتی آنکھوں سے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے سلام کیا۔

وعلیکم سلام۔رمشہ زبردستی ذرا سا مسکرا کر اس کے ساتھ سے نکل کر چلی گئی اور خضر کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

بریرہ کو اسلام آباد آئے ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔وہ آنکھوں پر بازو رکھے بیڈ پر بالکل سیدھی لیٹی تھی۔ ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ کسی نے اس کا بازو پکڑ کر زور سے ہلایا۔بریرہ ہڑبڑا کر اٹھی۔سامنے پریشان سا محسن کھڑا تھا۔اس کا تنفس تیز تھا، ہاتھ کانپ رہے تھے اور چہرے پر بوکھلاہٹ تھی۔

کیا ہوا ہے؟ بریرہ ایک دم پریشان ہو گئی تھی۔

بہت بڑا مسئلہ ہو گیا ہے۔جلدی نیچے آؤ۔محسن کہہ کر عجلت میں دروازے کی طرف بھاگا۔

لیکن ہو کیا ہے کچھ تو بتائیں۔بریرہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی بند ہو جائے گا۔پچھلے دنوں میں دیکھا گیا خواب اس کی آنکھوں کے سامنے آنے لگا۔بریرہ نے سر جھٹکا اور محسن کے پیچھے بھاگی۔کمرے سے کیسے باہر آئی، کچن کیسے عبور کیا، سیڑھیاں کیسے اتری کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا بس بار بار دل میں دعا کرتی بھاگ رہی تھی کہ "اللہ پلیز کچھ برا نہ ہوا ہو"۔

"بھائی کہاں گئے" یہ پہلا خیال تھا جو تاریک لِونگ روم دیکھ کر اس کے ذہن میں آیا تھا۔تبھی بریرہ کو سامنے ہیولہ سا نظر آیا اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔بریرہ نے محسن کو آواز دینا چاہی مگر آواز حلق میں آ کر دم توڑ جاتی تھی۔جسم کانپنے لگا تھا مگر بریرہ اندھیرے میں احتیاط سے آگے بڑھ رہی تھی۔

بیا۔تم ہو؟ سعود کی آواز سن کر بریرہ کو کچھ حوصلہ ہوا۔

ہاں میں ہوں۔کیا ہوا ہے محسن بھائی نے کہا کہ کچھ ہوا ہے۔بریرہ کی آواز رُندھی ہوئی تھی۔

شششش۔آہستہ بولو۔سعود نے سرگوشی میں کہا۔

مجھے بھی یہی کہا تھا انہوں نے پر اب کہاں ہیں وہ؟ سعود اب بھی سرگوشی میں بات کر رہا تھا۔ تبھی لِونگ روم کی لائٹ آن ہو گئی۔اندھیرے سے ایک دم روشنی ہوئی تھی۔دونوں کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔سعود نے فوراً بریرہ کو اپنے پیچھے کیا۔بریرہ نے پیچھے سے اس کی شرٹ کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔

ہیپی برتھ ڈے۔بہت سی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئی تھیں۔سعود کا رکا ہوا سانس بحال ہوا۔بریرہ نے کانپتے ہوئے اس کے کندھے کے اوپر سے جھانکا۔سامنے لِونگ روم کا نقشہ بدلا ہوا تھا۔صوفوں کو ہٹا کر دیوار کے ساتھ لگا دیا تھا اور لِونگ روم کے درمیان میں ڈائننگ ٹیبل رکھا ہوا تھا۔اس پر سعود اور بریرہ کی پسندیدہ دو تین ڈشز رکھی اور ان ڈشز کے درمیان دو کیک پڑے تھے۔اور ٹیبل کے ساتھ مسکراتے ہوئے حسنین، منتحیٰ، شہرام اور محسن کھڑے تھے۔بریرہ کی گرفت سعود کی شرٹ پر ڈھیلی ہوئی اور ہاتھ پہلو میں آ گرے۔

یار بندہ انسانوں والا سرپرائز بھی دے سکتا ہے۔سعود تیز چلتی سانسوں کے درمیاں کہتا آگے آیا۔

بریرہ شاک کے عالم میں ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔شہرام خاموشی سے آگے بڑھا، اس کا ہاتھ تھاما اور اسے لئے آگے آیا۔بریرہ کسی روبوٹ کی طرح اس کے ساتھ چلتی آئی۔بھوری آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔شہرام نے اسے سعود کے برابر کھڑا کیا اور چھری اس کی طرف بڑھائی۔اب تک وہ شاک سے نکل چکی تھی۔بریرہ نے کانپتے ہاتھوں سے چھری تھامی۔سعود نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اب وہ دونوں باری باری دونوں کیک کاٹ رہے تھے۔دونوں نے کیک کا ایک ایک پیس لے کر سب کو کھلایا۔اب سب کھانا کھانے کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔یہ سالگرہ یادگار رہے گی اتنا تو طے تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

اس دن بریرہ ذرا دیر سے اٹھی تھی۔آج آخری چھٹی تھی کل اسے واپس لاہور جانا تھا۔وہ رات کے ٹراؤزر شرٹ میں اٹھ کر نیچے آئی تو گھر ویران تھا۔شہرام اور حسنین اپنے اپنے آفس جا چکے تھے، سعود یونیورسٹی اور محسن کسی دوست سے ملنے گیا تھا۔منتحیٰ سفید رنگ کی قمیض، جس پر بڑے بڑے سورج مکھی کے پھول بنے تھے، سفید شلوار کے ساتھ پہنے کچن میں کھڑی کھانا بنا رہی تھیں۔ساتھ سفید دوپٹہ کندھے پر ڈال رکھا تھا۔بریرہ نے کچن کے سامنے دیوار پر لگی گھڑی دیکھی۔دن کے بارہ بج رہے تھے۔بریرہ خاموشی سے منتحیٰ کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی اور ان کے کندھے پر سر رکھ کر اپنے بازو ان کے گرد لپیٹے لئے۔

میں لیکچر کے موڈ میں نہیں ہوں۔منتحیٰ کچھ کہتی اس سے پہلے ہی بریرہ نے اعلان کیا۔منتحیٰ نے ہنس کر اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

اچھا ناشتہ تو کروا دیں، بھوک لگ رہی ہے۔بریرہ نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

مجھے تو لگا تھا گھر سے دور جا رہی ہو تھوڑی ذمہ داری آ جائے گی تم میں۔منتحیٰ نے مسکرا کر کہا۔بریرہ کچن کے شیلف کے اوپر بیٹھ گئی منتحیٰ نے اسے دیکھا، ڈانٹنے کے لئے لب کھولے مگر پھر خاموش ہو گئی۔بریرہ کو کل واپس جانا تھا وہ اسے آخری دن ڈانٹنا نہیں چاہتی تھی۔

ویسے وہاں ناشتہ کون کرواتا تھا؟ منتحیٰ اب انڈے پھینٹ رہی تھی۔

محسن بھائی۔بریرہ نے لاپرواہی سے کہا۔پھر اچانک احساس ہوا تو سر اٹھا کر دیکھا۔منتحیٰ کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔بریرہ کو ہنسی آ گئی۔

اچھا نا اب اپنے لئے ناشتہ بناتے تھے تو میرے لئے بھی بنا دیتے تھے۔ویسے بھی میں کونسا روز ناشتہ کرتی تھی۔بریرہ کی زبان ایک بار پھر پھسلی تھی۔

اچھا۔منتحیٰ غصے سے اس کی طرف بڑھی۔ان کو اب کی بار سچ میں غصہ آیا تھا۔بریرہ فوراً شیلف سے اتر کر بھاگی اور دور جا کھڑی ہوئی۔

ماما اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔اب مجھے جوتے مارتے ہوئے آپ اچھی نہیں لگیں گی۔بریرہ نے بامشکل ہنسی روکتے ہوئے کہا۔منتحیٰ کو بھی ہنسی آ گئی۔وہ سر جھٹک کر واپس کام میں مصروف ہو گئیں۔

کتنی دفعہ کہا ہے ناشتہ سکپ مت کیا کرو مگر تم کب کسی کی سنتی ہو؟ منتحیٰ کو وہی ماؤں والی پرانی پریشانی لگ گئی تھی کہ بچہ کہیں خالی پیٹ نہ رہ جائے۔

اچھا چھوڑیں نا۔محسن بھائی کہاں ہیں؟ بریرہ دوبارہ شیلف پر آ بیٹھی تھی۔

کسی دوست سے ملنے گیا ہے۔منتحیٰ نے مصروفیت کے درمیان کہا۔

اچھا سنو آج صدف باجی آئیں گی۔تم سے ملنا چاہ رہی ہیں۔منتحیٰ نے اطلاع دی تھی۔بریرہ جو ذرا جھک کر بیٹھی تھی ایک دم سیدھی ہوئی۔

لیکن مجھے تو جانا ہے کہیں۔بریرہ گھبرا گئی مگر پھر جلد ہی خود کو کمپوز کر لیا تھا۔

کہاں جانا ہے تمہیں؟ اگلی دفعہ چلی جانا۔پہلے جب باجی تم سے ملنے آئی تھی تو تمہاری طبیعت خراب تھی انہوں نے اصرار بھی کیا تھا مگر تم سو رہی تھی۔پھر تمہارے جانے سے پہلے ملنے آنا چاہتی تھی مگر تب وہ خود مصروف ہو گئی۔اب وہ پھر اصرار کر رہی ہیں تو ان کو انکار کرنا اچھا نہیں لگے گا۔ منتحیٰ نے التجائی لہجے میں کہا۔

اصفہ کی اماں بیمار ہیں ان کی تیمارداری کے لئے جانا ہے۔وہ میری بچپن کی دوست ہے ماما۔میں نہیں گئی تو برا لگے گا۔بریرہ نے فوراً بہانا گھڑا۔

ہاں یہ تو ہے۔چلو میں معذرت کر لوں گی باجی سے۔منتحیٰ نے مایوسی سے کہا۔

میں فریش ہو کر آتی ہوں۔بریرہ کہہ کر شیلف سے اتری اور اوپر کی طرف چلی گئی۔ابھی اصفہ کو بھی بتانا تھا کہ اس کی اماں کی بیمار ہیں۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

شاہ نواز ادھر ادھر ٹہلتا کسی کا انتظار کر رہا تھا۔اس نے سرمئی شرٹ کے ساتھ کالی جینز پہن رکھی تھی۔اس کی نیلی آنکھوں میں بے چینی تھی۔یہ وہی گیراج تھا جہاں وہ لوگ اکثر ملا کرتے تھے۔شاہ نواز ٹہلتے ٹہلتے رکا۔دروازہ کھل کر بند ہوا۔محسن کالی شرٹ اور نیلی جینز پہنے اندر آیا تھا۔آج بھی لیٹ۔

کہاں رہ جاتا ہے یار تو؟ شاہنواز اکتایا ہوا تھا۔

اتنا تپا ہوا کیوں ہے؟ محسن نے گھڑی دیکھتے ہوئے پوچھا۔رات کے آٹھ بج رہے تھے۔اسے لاہور کے لئے بھی نکلنا تھا۔

وہ جس لڑکی کی تصویر تو نے دی تھی۔اس کا پتا چل گیا ہے۔شاہنواز نے محسن کے سر پر بم گرایا تھا۔

کیا۔۔۔۔پتا چلا ہے؟ محسن کی سانس اٹکی تھی۔

تجھے یاد ہے طاہر خلیل کا خاص مہمان آنے والا تھا۔وہ طاہر کو لڑکیاں لا کر دیتا ہے آگے بیچنے کے لئے۔شاہ نواز کہہ رہا تھا اور محسن کی دنیا جیسے برف ہو گئی تھی۔ محسن جانتا تھا شاہ نواز آگے کیا کہنے والا ہے۔ساری آوازیں بند ہو گئی تھی بس ایک شاہ نواز کی آواز تھی جو محسن کے کانوں میں صور پھونک رہی تھی۔

یہ لڑکی اس نے ہی بھیجی ہے۔تو نے جب تصویر دی تھی اس کے بعد۔تو نے اسے کب نیاز بیگ کے ساتھ دیکھا تھا؟ شاہ نواز پریشان سا پوچھ رہا تھا۔

میں نے نہیں دیکھا تھا۔ محسن کی آواز دھیمی تھی، اتنی دھیمی کے شاہ نواز سن نہیں پایا۔

محسن کیا کہہ رہا ہے؟ شاہ نواز اس کا کندھا ہلا کر پوچھ رہا تھا۔

تو بتا پہلے ساری بات۔ محسن کا چہرہ سیاہ پر رہا تھا جیسے دم گھٹ رہا ہو۔

سعود نے جو پتا لا کر دیا تھا اس پر اپنے ایک بندے کو پیسے دے کر بھیجا تھا۔جو لڑکا پیسے لینے آیا تھا اس کا نام جنید ہے۔وہ گرفتار ہو گیا تھا۔اس نے بتایا کہ اس نے یہ پیسے ایک اور جگہ ڈراپ کرنے تھے۔شاہ نواز محسن کو بتا رہا تھا۔

ہم اسے وہاں لے کر گئے، اس کے ذریعے ایک اور لڑکا گرفتار ہوا۔اس لڑکے نے بتایا کہ اس کے باس کا کوئی خاص مہمان آیا تھا اور یہ کہ وہ خاص مہمان کوئی لڑکی ساتھ لایا ہے۔شاہ نواز نے ایک اور دھماکہ کیا تھا۔

وہ لڑکا بھی اپنے باس سے ڈائریکٹ رابطے میں نہیں ہے۔اس کے باس کو جو میسج دینا ہوتا ہے وہ ایک اور لڑکا اس تک پہنچا جاتا ہے۔وہ لڑکا موبائل ریپیئر شاپ پر کام کرتا ہے اور اس کے باس کا رائٹ ہینڈ ہے۔شاہ نواز کہہ رہا تھا۔

مجھے اس سے ملنا ہے۔ محسن لمبی خاموشی کے بعد اب بولا تھا۔

ابھی اس پر شک ظاہر نہیں کر سکتے۔ورنہ وہ باس پر سن الرٹ ہو جائے گا اور پھر اس تک پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔شاہ نواز نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

یعنی ابھی انتظار کرنا ہے۔ صحیح۔ محسن سر ہلاتا قدم قدم پیچھے ہٹنے لگا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔

ابھی شاہنواز نے محسن سے اس جھوٹ کی وجہ پوچھنی تھی جو زوہا اور عالیان سے بولا تھا مگر محسن کی غیر ہوتی حالت نے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ محسن بے یقینی سے قدم اٹھاتا جا رہا تھا۔

پیچھے سے شائد شاہ نواز نے اسے آواز دی تھی شائد رکنے کو بھی کہا تھا۔وہ شائد کچھ پوچھ بھی رہا تھا مگر محسن نہیں سن رہا تھا۔کون غدار، کیسا دھوکا۔ محسن سب بھول گیا تھا۔بس یاد تھا تو اتنا کہ اسکا بولا ہوا جھوٹ سچ ہو گیا تھا۔وہ لڑکی بازار میں بک چکی تھی۔یہ سوچ بہت تکلیف دہ تھی۔بے بسی کسے کہتے ہیں کوئی محسن سے پوچھتا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

محسن بے مقصد سڑک پر گاڑی دوڑا رہا تھا۔اس کا موبائل جانے کب سے بج رہا تھا۔محسن کی سماعتوں میں ابھی تک شاہنواز کے الفاظ گونج رہے تھے۔موبائل بج بج کر خاموش ہو گیا۔محسن نے اب ایک جگہ گاڑی روک دی تھی۔سڑک سنسان تھی۔سٹریٹ لائٹس کی زرد روشنی میں محسن کی گاڑی تنہا کھڑی تھی۔محسن کی شہد جیسی بھوری آنکھیں نم تھیں، وجہ غم نہیں تھا، وجہ غصہ تھا، ضبط تھا، بے بسی تھی۔

موبائل ایک بار پھر بجنے لگا۔محسن نے بس نظروں کا رخ موڑ کر موبائل کی جلتی بجھتی سکرین کو دیکھا اور پھر تب تک دیکھتا رہا جب تک وہ خاموش نہیں ہو گیا۔چند لمحے چاموشی سے گزر گئے پھر موبائل دوبارہ بجنے لگا۔اس بار محسن نے موبائل اٹھایا اور کان سے لگایا۔

کیا ہے بیا؟ محسن کی آواز زکام زدہ تھی۔

بھائی آپ ابھی تک گھر نہیں آئے۔کہاں ہیں آپ؟ بریرہ کی آواز میں پریشانی چھلک رہی تھی۔

مصروف ہوں۔محسن نے مختصراً کہا۔

رات کا ڈیڑھ بج رہا ہے۔ایسی بھی کیا مصروفیت ہے؟ اب کی بار فون میں منتحیٰ کی آواز گونجی۔وہ غصے میں تھیں۔

گھر آؤ جلدی۔منتحیٰ نے غصے سے کہا اور موبائل بریرہ کو واپس دیا۔

بھائی جلدی آ جائیں اس سے پہلے کہ ماما آپ کو ڈس اون کر دیں۔بریرہ نے شرارتاً کہا۔وہ مصروفیت کا سن کر ہی ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ محسن نے جواب دئے بغیر فون بند کر دیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد محسن گھر آیا تھا۔گھر آتے ہی وہ سیدھا اوپر آگیا۔نیند اسے نہیں آنی تھی تو وہ بالکونی میں جا رہا تھا۔ تبھی اسے اپنے پیچھے بریرہ کہ آواز سنائی دی۔

بھائی آج لاہور جانا تھا۔صبح سے کلاسس شروع ہیں۔بریرہ نے جھجھکتے ہوئے کہا۔

کچھ دن بعد چلیں گے۔محسن گم صم سا تھا۔

آپ ٹھیک ہیں؟ بریرہ کو محسن کا انداز کچھ عجیب لگا تھا۔

ہاں بس تھک گیا ہوں۔ محسن کہہ کر واپس نیچے جانے لگا۔

صرف تھکاوٹ تو نہیں۔۔۔۔ محسن نے بریرہ کی بات درمیان میں کاٹ دی۔

میں سونے جا رہا ہوں مجھے کوئی تنگ نہ کرے۔ نیند پوری ہو گی تو اٹھ جاؤں گا۔ محسن کہہ کر پلٹ گیا۔ بریرہ پریشان سی وہیں کھڑی رہ گئی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

منتہیٰ اور بریرہ کچن کے پیچھے بنے برآمدے میں بیٹھی کنزہ سے ویڈیو کال پر بات کر رہی تھیں۔ کچن کا پچھلا دروازہ پورا کھلا ہوا تھا۔ سامنے ٹیبل پر شام کی چائے کے برتن ہنوز پڑے تھے۔ محسن اسی وقت تیار سا شہرام کے کمرے سے باہر آیا۔ وہ لاہور سے جب بھی آتا تھا شہرام کے کمرے میں رہتا تھا اس نے بلیک جینز پر میرون وی گلے کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ گیلے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔

وہ غالباً نہا کر آیا تھا۔محسن عجلت میں بیرونی دروازے کی طرف بڑھا تبھی منتحیٰ نے آواز دی۔محسن رک گیا مگر پلٹا نہیں۔

کہاں جا رہے ہو؟ منتحیٰ نے پوچھا۔

کام ہے۔محسن کہہ کر جانے لگا لیکن منتحیٰ نے دوبارہ آواز دی۔

رکو محسن۔رات کو بھی دیر سے آئے تھے اور اب جاگے ہو۔ناشتہ بھی نہیں کیا تم نے۔کچھ کھا لو بیٹا۔ منتحیٰ نے فکر مندی سے کہا۔

ناشتے سے زیادہ بڑے مسئلے ہیں ابھی میرے پاس۔محسن نے شکست خوردہ لہجے میں کہا اور باہر نکل گیا۔منتحیٰ نا سمجھی سے اسے جاتے دیکھتی رہیں۔

کچھ دیر بعد محسن نجمہ بیگم کے گھر کے سامنے کھڑا بیل بجا رہا تھا۔تھوڑی دیر کے بعد کوثر نے دروازہ کھولا۔محسن کو وہاں دیکھ کر وہ ذرا حیران ہوئی تھی۔

محسن۔اندر آؤ بچہ۔کوثر نے پچکار کر کہا۔محسن خاموشی سے اندر آ گیا۔

اماں جان دوا لے کر سو رہی ہیں۔تم تھوڑی دیر پہلے آتے تو ملاقات ہو جاتی۔کوثر آگے چلتی، بولتی جا رہی تھیں۔محسن ان کو بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا بات کرے اور کیسے؟

ارے کھڑے کیوں ہو بیٹھو نا۔کوثر نے لِونگ روم میں آکر اس کو کھڑے دیکھ کر کہا۔

میرال کیسی ہیں؟محسن نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

میری بات تو نہیں ہوئی بڑے دن ہو گئے لیکن ٹھیک ہی ہو گی۔کوثرلا علمی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔محسن خاموش ہو گیا۔کوثر اب تک اٹھ کر کچن میں جا چکی تھیں۔تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئیں تو ہاتھ میں ٹرے تھی۔ٹرے میں چائے اور لوازمات رکھے تھے۔محسن سر جھکائے بیٹھا تھا ان کے آنے پر سر اٹھایا تو بھوری آنکھیں ویران تھیں۔

ان کے ان-لاز کہاں رہتے ہیں؟ محسن نے پوچھا۔کوثر نے رشتہ کرتے وقت کسی کی رائے لینا ضروری نہیں سمجھا تھا ان کے لئے اتنا کافی تھا کہ لڑکا امریکہ میں سیٹل ہے اور شادی کے بعد میرال کو ساتھ لے جائے گا۔اس لئے کوثر ،نجمہ بیگم اور میرال کے چچا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے سسرال والے کہاں رہتے ہیں۔

یہیں۔اسلام آباد میں۔تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ کوثر کو حیرت ہوئی تھی۔

ایسے ہی بس۔محسن نے کہہ کر سر جھکا لیا۔

مجھے ان کا ایڈریس دے سکتی ہیں؟۔محسن نے کچھ دیر بعد جھجھکتے ہوئے کہا۔

ہاں ہاں۔کیوں نہیں۔تم بیٹھو میں لے کے آتی ہوں۔کوثر اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔جب واپس آئی تو ہاتھ میں ایک صفحہ تھا۔شائد ڈائری سے پھاڑا گیا تھا۔محسن نے وہ کاغذ لیا اور اجازت چاہی۔

چائے تو پی لیتے۔کوثر نے چائے کا ناچھوا کہ دیکھ کر کہا۔

ایک ضروری کام ہے پھوپھو۔میں۔۔۔۔چلتا ہوں۔ محسن نظر چرا گیا تھا۔کوثر حیران پریشان سی چیزیں اٹھانے لگی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

رات کے آٹھ بج رہے تھے جب سعود یونیورسٹی سے واپس آیا تھا۔آج اس کے دوستوں نے اس کا برتھڈے سیلیبریٹ کیا تھا۔وہ گھر آیا تو لِونگ روم ویران تھا۔وہ خاموشی سے اوپر آ گیا۔بریرہ کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا، سعود وہیں آ گیا۔

کیسی ہو پارٹنر؟ سعود نے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

ٹھیک ہوں۔مجھے کیا ہونا ہے۔بریرہ کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔اس نے چونک کر سر اٹھایا تو سعود کو محسوس ہو کہ وہ بجھی بجھی سی تھی۔

کیا ہوا ہے؟ سعود نے کہنیوں کے بل اونچا ہو کر پوچھا۔

کچھ نہیں۔تم پلیز جاؤ مجھے سونا ہے۔بریرہ نے کتاب سائڈ ٹیبل پر رکھی اور اپنے اوپر کمبل درست کرتے ہوئے کہا۔سعود نے آنکھیں سکیڑ کے اسے دیکھا۔

بیا کیا بات ہے؟ میری کوئی بات بری لگی ہے کیا؟ سعود نے فکر مندی سے پوچھا۔

نہیں۔ایسا تو نہیں ہے۔بریرہ نے نظر چراتے ہوئے کہا۔سعود اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔بریرہ نے اسے وہیں بیٹھے دیکھا تو بدمزہ سی ہوئی۔

کیا ہے؟ جاؤ یہاں سے۔مجھے سونے دو۔بریرہ نے ذرا زور دے کر کہا۔

نہیں جاؤں گا جب تک تم بتاؤ گی نہیں کہ کیا مسئلہ ہے؟ سعود اب اٹھ کے بیٹھ چکا تھا۔

سعود پلیز مجھے نیند آ رہی ہے۔بریرہ نے اس دفعہ التجاء کی تھی۔

یار کل جا رہی ہو تم۔اس طرح منہ بنا کر جاؤ گی؟ سعود نے اس دفعہ صلاح جوئی کے انداز میں کہا۔

تمہیں کیا فرق پڑتا ہے؟ بریرہ نے سر جھکا کر سرگوشی کے انداز میں کہا مگر سعود سن چکا تھا

کیوں فرق نہیں پڑتا؟ تم میری بہن ہو۔میری پارٹنر ان کرائم۔سعود نے ہلکا سا ہنس کر کہا۔بریرہ اسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔بھوری آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگی۔بریرہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر سر جھٹک دیا۔

ٹھیک ہے میں نے مان لیا۔اب جاؤ۔بریرہ نے آنکھیں رگڑ دیں۔

میں نہیں جا رہا۔سعود اب پوری طرح اس کی طرف مڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

یار کیا مسئلہ ہے؟ بریرہ اب زِچ ہوئی تھی۔

تمہیں کیا مسئلہ ہے؟ سعود نے بھی اسی کے انداز میں سوال دہرایا۔

کوئی مسئلہ نہیں ہے۔بس تم جاؤ۔بریرہ اب بھی ضد پر اڑی تھی۔

بیا جو بھی بات ہے پلیز مجھے بتاؤ۔ہم ایک دوسرے سے ہر بات شیئر کرتے ہیں نا۔سعود نے اب کی بار پچکارتے ہوئے کہا۔بریرہ کا ضبط جواب دے گیا۔

تم نے ریپلیس کر دیا ہے مجھے۔بریرہ کہ آواز رندھ گئی تھی۔سعود نے اسے ایسے دیکھا تھا جیسے اس کی ذہنی حالت پر شک ہو۔

سب مجھے ریپلیس کر دیتے ہیں۔اسے اصفہ اور ارحم کی بے تکلفی یاد آئی۔ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکل کر گال پر بہہ گیا تھا۔

تمہیں کیوں لگا کہ میں نے تمہیں ریپلیس کر دیا ہے؟ سعود کو دکھ ہوا تھا۔

تم نے میری جگہ اس۔۔۔اس رمشہ کو دے دی ہے۔پچھلے تین سالوں سے میں بس وہی تو ہے تمہارے آس پاس۔میں تمہاری زندگی میں کہاں ہوں؟ بریرہ اب باقائدہ رو رہی تھی۔

اٹھو۔جاؤ منہ دھو کر آؤ۔پھر بات کرتے ہیں۔سعود اب کھڑا ہو گیا تھا اور بریرہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کر رہا تھا۔بریرہ نے ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

اٹھ جاؤ بیا۔اس بار سعود نے زور دے کر کہا تو بریرہ کو اٹھنا پڑا۔بریرہ خاموشی سے اٹھی اور اسے گھور کر واشروم میں چلی گئی۔جب واپس آئی تو تھا منہ دھلا ہوا تھا اور حالت سنبھلی ہوئی تھی۔سعود اپنی جگہ پر واپس بیٹھ چکا تھا۔بریرہ خاموشی سے واپس آ کر بیٹھ گئی۔

ہاں اب بتاؤ کیا کہہ رہی تھی۔سعود نے اسکا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔اب وہ پوری طرح بریرہ کی طرف متوجہ تھا۔بریرہ خاموش رہی۔

بیا۔سعود نے پکارا تو بریرہ نے سر اٹھا کر دیکھا مگر خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔

بتاؤ نا کیا بات ہے؟ سعود نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلایا۔

تم نے میری جگہ اپنی اس دوست کو دے دی ہے۔میں تمہاری بیسٹ فرینڈ تھی۔میں تمہارے سب سے کلوز تھی۔بریرہ کی آواز دوبارہ رندھ گئی۔

تم کتنی بےوقوف ہو۔سعود نے نفی میں سر ہلایا۔بریرہ نے صدمے سے اسے دیکھا۔

میں تمہیں ریپلیس کر سکتا ہوں؟ سعود نے اسکو غور سے دیکھ کر کہا۔بریرہ نے سر جھکا دیا۔

تم نے سنا نہیں کیا "blood is thicker than water"۔سعود نے مسکرا کر کہا۔

یہ ادھورا کوٹ(quote) ہے۔بریرہ نے سعود کے علم میں اضافہ کیا تھا۔

تو پورا کوٹ کیا ہے؟ سعود نے اس کو ناسمجھی سے دیکھا۔

The blood of the covenant is thicker than the

water of the womb بریرہ نے زور دے کر کہا۔

مطلب؟ سعود کو اب بھی سمجھ نہیں آئی تھی۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے منتخب کئے گئے رشتے، خون کے رشتوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔بریرہ نے اداسی سے کہا۔

اینڈ آئی چوز یو (And I choose you)۔تم میری بہن ہو اور وہ میری دوست ہے۔وہ تمہیں ریپلیس نہیں کر سکتی۔کوئی تمہیں ریپلیس نہیں کر سکتا۔سعود اسے سمجھا رہا تھا۔

پچھلے تین سال ہم دونوں اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف تھے مگر اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی تمہاری جگہ لے لے گا۔ہم پارٹنر ان کرائم تھے، ہیں اور رہیں گے۔آئی سمجھ؟ سعود نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا تھا۔اور بریرہ نے آنکھیں رگڑ کر سر ہلا دیا۔

گڈ۔اب تیار ہو کہ نیچے آؤ۔میں سب کو تیار کرتا ہوں ہم ڈنر باہر کریں گے۔اور ہاں اتنی ایموشنل نہیں ہوا کرو، تمہیں سوٹ نہیں کرتا۔سعود اس کے بال بگاڑ کر نیچے چلا گیا اور پہلی دفعہ بریرہ کو سعود کی اس حرکت سے کوفت نہیں ہوئی تھی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

یہ وہی ریستورنٹ تھا جہاں محسن اور شہرام پہلے بھی آ چکے تھے۔وہ چاروں ایک گول میز کے گرد بیٹھے تھے۔شہرام کے ساتھ محسن تھا، محسن کے ساتھ بریرہ اور بریرہ کے ساتھ سعود بیٹھا تھا۔منتہیٰ اور حسنین نے یہ کہہ کر معزرت کر لی تھی کہ "تم لوگ انجوائے کرو۔ہماری بوڑھی ہڈیوں کو زرا آرام چاہیئے"۔سب ہنستے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔محسن بظاہر نارمل تھا، خاموشی سے سب کو سن رہا تھا لیکن کچھ بولتا نہیں تھا۔تبھی ویٹر مینیو کارڈ اٹھا کر ان کے پاس آیا۔

آج تم آرڈر کرو۔شہرام نے مینیو کارڈ بریرہ کی طرف بڑھایا۔

میں؟ پر۔۔۔بریرہ ایک دم ہی کنفیوز ہو گئی تھی۔

ہاں بھئی تم۔کرو آرڈر۔شہرام اب کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔

میں کیا آرڈر کروں۔آپ اپنی مرضی سے کچھ آرڈر کر لیں نا۔بریرہ نے مینیو کارڈ واپس شہرام کی طرف بڑھایا۔

لاؤ بھئی میں آرڈر کرتا ہوں۔سعود نے اس کے ہاتھ سے مینیو کارڈ لے لیا۔ابھی سعود مینیو کارڈ صحیح سی دیکھ بھی نہیں سکا تھا۔شہرام نے اس کے ہاتھ سے کارڈ واپس لے کر بریرہ کے سامنے رکھا۔

آج آردڈر آپ ہی کریں گی۔شہرام نے آنکھوں سے مینیو کارڈ کی طرف اشارہ کیا۔بریرہ نے بے دلی سے کارڈ پکڑا۔چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔بہنوں کو کانفیڈینٹ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ کچھ فیصلے ان کو خود کرنے دئے جائیں۔سعود نے اکتا کر شہرام کو دیکھا۔

آج کی تاریخ میں تو ہو گیا آرڈر۔سعود نے طنز کیا۔بریرہ ایک تیز نظر اس پر ڈال کر ویٹر کی طرف متوجہ ہوئی اور دو تین ڈشز پر انگلی رکھ کر آرڈر لکھوایا۔ویٹر بریرہ کے دائیں طرف کھڑا تھا اور سعود بائیں طرف بیٹھا تھا۔وہ دیکھ نہیں سکا کہ بریرہ نے کیا آرڈر کیا ہے۔

کیا منگوایا؟ سعود نے دونوں بازو ٹیبل پر رکھ کر سر بریرہ کے قریب جھکا کر پوچھا۔

ابھی آئے گا تو دیکھ لینا۔بریرہ نے بھی اسی کے انداز میں اسے جواب دیا۔

میں بتا رہا ہوں کوئی بہت ہی بدمزہ کھانا آئے گا ابھی اور گھر جا کر ہم سب کے پیٹ میں درد ہو گا۔ اور کروائیں اس سے آرڈر۔سعود نے بریرہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔بریرہ نے اسی لمحے سعود کے بازو میں چٹکی کاٹی۔

بڑے بھائی کو مار رہی ہو؟ تمہارا تو الگ حساب ہو گا قیامت والے دن۔سعود اپنی جگہ پر اچھل گیا تھا۔

کون بڑا بھائی؟ بریرہ نے حیرت سے اسے دیکھ کر کہا۔

میں۔میں بڑا بھائی۔پورے آٹھ منٹ بڑا ہوں میں تم سے۔سعود نے جتانے والے انداز میں کہا۔

یہ آٹھ منٹ کا رعب اس پر جھاڑنا جس پر اثر بھی کرے۔بریرہ نے ہونہہ منہ بنا کر کہا۔

اچھا بس اب یہاں مت لڑنا شروع کر دینا۔ کبھی تو سلوک اتفاق سے بیٹھ جایا کرو۔ شہرام نے دھیمی آواز میں انہیں تنبیہہ کی۔اسی لمحے محسن "ایکسکیوز می" کہتا اٹھا اور سیٹینگ ایریا کے پچھلی طرف بنے باتھرومز کی طرف چلا گیا۔

یہ محسن بھائی کو کیا ہوا ہے؟ سعود نے سر اونچا کر کے دور جاتے محسن کو دیکھا۔

باتھروم گیا ہے۔ایسے کیوں پوچھ رہے ہو؟ شہرام نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

پتا نہیں مجھے لگا پریشان ہیں شائد۔سعود نے شہرام کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ہاں مجھے بھی۔بریرہ نے سعود کی حمائیت کی۔

کب؟ سعود اب گردن موڑے بریرہ کو دیکھ رہا تھا۔

کل جب میں نے بھائی کو لاہور جانے کا کہا تو انہوں نے کہا ابھی نہیں کچھ دن بعد چلیں گے لیکن بھائی کا انداز کچھ عجیب تھا۔میں نے پوچھا تو بس انہوں نے اتنا کہا کہ تھکا ہوا ہوں۔بریرہ نے کندھے اچکا کر کہا۔

تو بتایا کیوں نہیں؟ او اچھا تم اس لئے ابھی تک یہاں ہو۔میں بھی سوچ رہا تھا کہ بریرہ میڈم کو لاہور کی یاد کیوں نہیں ستا رہی۔سعود اس پر طنز کرتا اٹھ گیا تھا۔

اب تم کہاں جا رہے ہو؟ شہرام نے اسے اٹھتے دیکھ کر پوچھا۔سعود محسن کے انداز میں "ایکسکیوز می" کہہ کر باتھرومز کی طرف چلا گیا۔شہرام سر جھٹک کر واپس پلٹ گیا۔

ادھر باتھروم میں محسن آئینے کے سامنے دونوں ہاتھ سلیب کے کناروں پر رکھے سر جھکا کر کھڑا تھا۔ چہرا اور سامنے کے بال گیلے تھے جیسے ابھی منہ دھویا ہو۔آنکھیں بند تھی اور پاس ہی سلیب پر اس کا فون پڑا تھا۔باتھروم چھوٹا مگر صاف ستھرا تھا۔دیوار اور سلیب کے درمیاں بس تین قدموں کا فاصلہ تھا۔

باتھروم پسند آگیا ہے کیا؟ محسن نے آواز پر سر اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔سعود اس کے پیچھے، کھلے دروازے میں، کندھا دروازے کے فریم سے ٹکا کر ایک پیر پر کھڑا تھا۔دوسرا پیر ٹیڑھا کر کے لیٹا رکھا تھا۔

بس آنے ہی والا تھا۔طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے میری۔دل گھبرا رہا تھا تو بس منہ دھونے آگیا۔محسن نے خوامخواہ کی صفائی دی۔

کوئی پریشانی ہے؟ سعود اب قدم قدم چلتا اس کے قریب آگیا اور سلیب سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔اس طرح کہ آئینے میں اس کی کمر اور نیم رخ دکھائی دے رہا تھا۔

اگر ہو تو کیا کرو گے؟ محسن سینے پر بازو باندھے پیچھے ہٹا اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

حل کرنے کی کوشش یا پھر مدد۔جو ہو سکا کروں گا۔سعود نے یقین دہانی کے انداز میں کہا۔محسن اسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر آگے آیا۔

چھوڑو تمہارا برتھ ڈے سپائیل نہیں کرنا چاہتا میں۔ محسن اس کا کندھا تھپتھپا کر اپنا موبائل اٹھاتا باہر کو جانے لگا۔

تو آپ کو کیا لگتا ہے ابھی آپ کیا کر رہے تھے؟ سعود نے پیچھے سے کہا تو محسن نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

بتا دیں کیا ہوا ہے؟ سعود نے دوبارہ پوچھا۔

بعد میں ابھی باہر چلتے ہیں۔ایسا نہ ہو کہ وہ دونوں سارا کھانا کھا جائیں اور ہمارے حصے میں کچھ بھی نہ آئے۔ محسن نے مسکرا کر کہا۔سعود نے بھی ہنستے ہوئے سر ہلا دیا۔

مانتے ہیں نا پھر آپ سب کا اَن-پیڈ تھیراپسٹ ہوں میں۔سعود نے کندھے جھاڑ کر کہا تو محسن نے بھنویں آچکا کر اسے دیکھا۔اب وہ دونوں اسی طرح باتیں کرتے دور جا رہے تھے۔

جب تک وہ چاروں کھانا کھا کر نکلے رات کے گیارہ بجنے والے تھے۔محسن فون میں کچھ دیکھ رہا تھا پھر اس نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔سڑک کے اس پار اس کو وہ کیب نظر آئی جو اس نے بک۔کی تھی۔وہ ایک سفید چھوٹی سی گاڑی تھی۔ایک جگہ سے اس کا پینٹ اترا ہوا تھا۔محسن واپس ان کی طرف مڑا اور "تم لوگ جاؤ میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں" کہہ کر اس کار کی طرف بڑھا۔

اور ہماری بات؟ سعود نے پیچھے سے آواز دی۔

واپس آؤں گا تب کر لیں گے۔ محسن نے مڑے بغیر کہا اور سڑک پار کر گیا۔اب وہ تینوں شہرام کی گاڑی کی طرف جا رہے تھے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

رات کے تین بج رہے تھے۔ محسن بازو آنکھوں پر رکھے سیدھا لیٹا تھا۔پیروں میں اب تک جوگرز پہن رکھے تھے۔کپڑے بھی ریستورنٹ والے تھے۔سونے کی بھرپور کوشش کے باوجود بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی جبکہ شہرام تو واپس آتے ہی سو گیا تھا۔محسن کا موبائل بجنے لگا تو اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اوپر تکیے پر رکھ دیا پھر گہری سانس لے کر موبائل اٹھایا۔نئے میسج کا نوٹیفیکیشن سکرین پر جگمگا رہا تھا۔"اس وقت کون میسج کر سکتا ہے؟" محسن نے سوچتے ہوئے میسج کھولا۔میسج پڑھ کر اس کے

ہونٹ خودبخود مسکراہٹ میں ڈھلے۔میسج سعود کا تھا اور سعود نے لکھا تھا "جانو نیند نہیں آ رہی ملنے آ جاؤں؟"۔

میں آتا ہوں نا جانِ من۔آپ کیوں زحمت کرتے ہیں؟ محسن نے مسکراتے ہوئے میسج لکھ کر بھیجا پھر موبائل وہیں بیڈ پر رکھ کر اٹھا۔موبائل ایک بار پھر بجا۔محسن نے موبائل اٹھا کر دیکھا تو سعود نے آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے بندر والا ایموجی بھیجا تھا۔محسن کا بے اختیار کا قہقہہ گونجا۔پھر شہرام کا خیال آنے پر زبان دانتوں میں دبا کر قہقہہ روکا اور موبائل بیڈ پر پھینک کر باہر نکلا۔سخت سے سخت سچویشن میں بھی اگر کوئی محسن کو ہنسا سکتا تھا تو وہ بس سعود تھا۔

محسن بالکونی میں پہنچا تو سعود رات کی مناسبت سے سرمئی رنگ کی شرٹ اور ہم رنگ ٹراؤزر پہنے ریلنگ پر کہنیاں رکھ کر جھکا کھڑا تھا۔ہاتھ باہم پھنسا رکھے تھے۔آہٹ پر پلٹ کر دیکھا اور زرا سا شرما دیا۔محسن نے مسکرا کر اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

تمہیں کیسے پتا میں جاگ رہا ہوں گا؟ محسن نے آتے ہی سوال کیا۔

دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔سعود نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

سعود۔محسن نے گھور کر دیکھا تو سعود فوراً سیدھا ہوا۔

نہیں۔پتا نہیں تھا۔بس اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔محسن جو ذرا فاصلے پر کھڑا تھا اب قریب آگیا تھا۔ محسن ریلنگ پر کہنیاں رکھ کر جھک کر کھڑا ہو گیا۔

ویسے یہ فلرٹ کرنا کہاں سے سیکھا ہے؟ محسن بھنویں سکیڑے مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

یونیورسٹی میں اتنی لڑکیاں ہیں جو۔۔۔سعود نے بولتے بولتے گردن گھمائی تو محسن کڑے تیوروں سے اسے گھور رہا تھا۔

مج۔۔۔مجھ سے۔مجھ سے فلرٹ کرتی ہیں۔میں نے کبھی نہیں کیا۔سعود ہلکا سا ہکلا گیا تھا۔محسن نے ہنس کر سر جھٹکا۔

ویسے سچ بتائیں۔چھپ چھپ کر محبوبہ سے ملنے والی فیلینگ نہیں آ رہی؟ سعود نے جھک کر رازداری سے پوچھا۔محسن نے اسے گھور کر دیکھا تو وہ ایک دم سیدھا ہوا۔

اچھا۔۔۔۔اچھا۔۔۔۔نہیں آرہی۔سوری۔سعود نے، قبل اس کے، کہ محسن اس کو دو ہاتھ جڑ دے فوراً معذرت کی۔

اچھا خیر اب بتائیں کیا مسئلہ تھا۔محسن چند لمحے خاموش رہا تو۔سعود مسکرا کر پوچھنے لگا۔محسن نے سعود کو غور سے دیکھا۔"بتانا چاہیئے یا نہیں" محسن نے اس کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو دل بیٹھنے لگا۔"کیا اتنی خوبصورت مسکراہٹ کا گلا گھونٹ دینا ظلم نہیں ہے؟" محسن ابھی یہی سوچ رہا تھا جب سعود نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔

کہاں گم ہو گئے؟ بتائیں نا کیا مسئلہ تھا؟ سعود نے دوبارہ پوچھا۔

کچھ نہیں۔محسن نے کہہ کر سر جھکا لیا۔

میری بات سنیں میں اپنا نرم، آرام دہ بستر چھوڑ کر آیا ہوں آپ کے لئے۔آپ نے کہا تھا بعد میں بات کریں گے تو اب بات کریں۔سعود نے محسن کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔محسن نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

جو لوگ دوسروں کا بھلا کرنے نکلتے ہیں ان کے ساتھ ہمیشہ برا کیوں ہوتا ہے؟ محسن نے وہ سوال بلآخر کر ہی دیا جو اسے تنگ کر رہا تھا۔

جو لوگ اپنے بارے میں سوچے بغیر کسی کا بھلا کرنے نکلتے ہیں وہ ایک قسم کے جہاد پر نکلتے ہیں اور ایسے لوگ سر پر کفن باندھ کر نکلتے ہیں۔انہیں کہاں پرواہ ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ کچھ برا ہو گا۔ سعود اپنے طور پر محسن کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

مگر اپنے خاندان کی پرواہ تو ان کو ہوتی ہے۔ان کے خاندان کے ساتھ بھی تو برا ہوتا ہے۔محسن بالکونی کے باہر پھیلے مہیب اندھیرے میں دیکھتا کہہ رہا تھا۔

جہاد کرنے والوں کے خاندان، مال، اولاد سب کی حفاظت اللہ خود کرتا ہے۔سعود کو اپنی عقل کے مطابق جو سمجھ آ رہا تھا وہ محسن کو سمجھانے لگا۔

کیا میں جہاد پر ہوں؟ محسن نے عجیب انداز میں سوال کیا تھا۔

ہاں۔آپ اپنے ملک اور ملک کے لوگوں کی حفاظت کے لئے کام کر رہے ہیں۔آپ جہاد پر ہیں۔سعود نے اسے امید تھمانے کی کوشش کی تھی۔

تو پھر اللہ نے میرے خاندان کی حفاظت کیوں نہیں کی؟ محسن اب گردن موڑ کر سعود کو دیکھ رہا تھا۔ شکوہ نہیں تھا، بس سوال تھا۔

ہم سب ٹھیک ہیں بھائی۔سعود سمجھا تھا کہ محسن، ماما، بابا، اور بہن بھائیوں کی بات کر رہا ہے۔

ہاں "تم" سب ٹھیک ہو۔محسن نے تم پر زور دے کر کہا۔

کیا مطلب؟ سعود اب پریشان ہو رہا تھا۔

تمہیں یاد ہے میں نے تمہیں ایک آٹو ریپیئر شاپ پر بھیجا تھا۔ محسن یاد دلا رہا تھا۔"آٹو ریپیئر شاپ نہیں موت کا کنواں بولیں" سعود نے سوچا مگر خاموشی سے سر ہلا دیا۔

وہاں تم جس نیاز بیگ سے ملے تھے وہ۔۔۔سعود نے محسن کو بات مکمل نہیں کرنے دی۔

وہ ڈرگز کا کاروبار کرتا ہے۔آگے؟ سعود کو بے چینی ہونے لگی تھی۔

اور لڑکیوں کا بھی۔ محسن نے نظر چرا کر کہا۔سعود کے ہونٹ "او" کے انداز میں سکڑے۔

تو پریشانی کیا ہے؟ سعود نے الجھتے ہوئے پوچھا اور پھر محسن اسے ساری بات بتاتا گیا۔

میرال آپی کی تو شادی ہو گئی تھی۔سعود لمبی خاموشی کے بعد بولا تھا۔

یہی تو پریشانی ہے کہ ان کی تو شادی ہو گئی تھی مگر ان کے ان-لاز کا کچھ پتا نہیں ہے۔ان کا گھر خالی ہے اور سفیان (میرال کا شوہر) سے بھی رابطہ نہیں ہو پا رہا۔محسن کہہ کر خاموش ہو گیا۔

تو اب کیا کرنا ہے؟ سعود کی بھوری آنکھیں ایک عزم سے چمکی تھیں۔

نہیں۔بالکل بھی نہیں۔سوچنا بھی مت کہ میں تمہیں اس سب میں انوالو کروں گا۔محسن نے سر نفی میں ہلا کر قنعیت سے کہا۔

آپ مجھے اس سب میں انوالو کر چکے ہیں۔ڈیئر بردر۔سعود نے زور دے کر کہا۔

سعود تم بچے ہو یار۔میں تمہارے اوپر رسک نہیں لے سکتا۔محسن نے اب کہ نرمی سے سمجھانا چاہا۔

آپ نے تبھی رسک لے لیا تھا جب مجھے نیاز بیگ کی شاپ پر بھیجا تھا۔اس لئے اب بتائیں کیا کرنا ہے؟ سعود پیچھے نہیں ہٹے گا محسن اتنا تو جانتا تھا۔

میں شاہ سے مل کر آیا ہوں۔کہا تو اسے کچھ اور تھا مگر۔۔۔خیر۔مجھے لاہور میں کچھ کام ہیں۔میں بیا کو لے کر جا رہا ہوں۔تم شاہ سے مل لینا اور اسے میرا بتا دینا۔میں جب تک واپس آؤں گا تب تک شاہ تمہیں سب بتا اور سکھا دے گا۔پھر۔۔۔محسن کہتا گیا اور سعود سنتا گیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

آج رات میں محسن کو ہر صورت لاہور کے لئے نکلنا تھا۔وہ سارا دن کام نمٹانے میں مصروف رہا۔ شہرام بھی اسی لئے گھر جلدی آ گیا تھا۔گاڑی جب گیٹ کے قریب آئی تو شہرام نے دیکھا، وہاں ایک اور گاڑی کھڑی تھی۔شہرام نے یہ گاڑی کہیں دیکھ رکھی تھی، کہاں؟ یاد نہیں آ رہا تھا۔

وہ بریف کیس تھامے گاڑی سے اترا تو ڈرائینگ روم کا گیراج والی طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔شہرام نے ایک نظر اندر دیکھا۔بڑے صوفے پر صدف آنٹی اور حدید بیٹھے تھے۔زوہیب شائد آیا ہی نہیں تھا۔دوسرے دروازے کی طرف پڑے سنگل صوفے پر منتہیٰ بیٹھی تھیں۔دوسرے سنگل صوفے پر کون تھا وہ یہاں سے نظر نہیں آتا تھا۔شہرام مسکراتا ہوا اندر آیا۔

اسلام وعلیکم۔کیسے ہیں آپ۔۔۔لوگ؟ شہرام جو خوش اخلاقی سے مسکرا کر سلام کرتا آ رہا تھا۔بریرہ کو وہاں بیٹھے دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔اس نے ایک نظر منتحیٰ پر ڈالی۔منتحیٰ اس کی آنکھیں دیکھ کر سمجھ گئیں تھیں کہ شہرام کو کچھ برا لگا ہے۔شہرام نے ان سے نظر ہٹا کر بریرہ کو دیکھا۔

تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ جاؤ اپنے کمرے میں۔شہرام نے غصے میں بول دیا پھر احساس ہوا تو مسکرا کر صدف آنٹی کو دیکھا۔

بیا کو کچھ بکس لینے کے لئے مارکیٹ جانا تھا۔میں اسی لئے جلدی آیا تھا۔صدف آنٹی کو دیکھ کر مسکرا کر وضاحت دی۔پھر بریرہ کو آنکھ کے اشارے سے اوپر جانے کو کہا۔بریرہ کو تو بہانا مل گیا تھا وہ فوراً اٹھ کر بھاگی۔

جلدی تیار ہو کر آنا۔شہرام نے پیچھے سے بلند آواز میں کہا۔بریرہ مڑے بغیر بھاگتی گئی۔

بریرہ جب دوبارہ نیچے آئی تو اس نے آسمانی رنگ کی شارٹ شرٹ، جس کے گلے پر سفید رنگ کی کڑھائی کی گئی تھی، کے ساتھ ہم کھلا سا ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔دوپٹہ گلے میں ڈال رکھا تھا اور آدھے بالوں کو کیچر لگا کر کھلا چھوڑ رکھا تھا۔

بھائی چلیں؟ بریرہ نے گیراج والے دروازے میں کھڑے ہو کر آواز دی تو شھرام ان سب کو سلام کرتا باہر نکل آیا۔

گاڑی سڑک پر بھاگ رہی تھی۔یہ راستہ اس لائبریری کی طرف جاتا تھا جہاں کا شھرام ممبر تھا۔ دوپہر ڈھل رہی تھی تو دھوپ کے باوجود بھی زیادہ گرمی نہیں تھی۔بریرہ باہر بھاگتے درخت اور گاڑیاں دیکھ رہی تھی تبھی وہ شھرام کی آواز پر چونکی۔

تم وہاں بیٹھی کیا کر رہی تھی؟ شھرام نے نظر سڑک پو جمائے پوچھا۔

صدف آنٹی مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔بریرہ نے بظاہر اطمینان سے جواب دیا مگر اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ شھرام نے اسے مڑ کر دیکھا تھا۔

کیوں ملنا چاہتی تھی؟ شہرام کو اس ملاقات کی منطق نہیں سمجھ آئی تھی۔بریرہ نے "پتا نہیں" والے انداز میں کندھے اچکا دئے۔

اچھا۔خیر آئیندہ ان لوگوں کے سامنے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔شہرام نے لائبریری قریب آتے دیکھ کر بات ختم کرنے والے انداز میں کہا۔بریرہ نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔

oooooooooooooooooooooo

بریرہ اور محسن واپس لاہور آ چکے تھے۔گرمی بڑھ گئی تھی اور دھوپ جلا دینے کی حد تک گرم تھی۔ آج بھی ایسا ہی ایک دن تھا۔بریرہ آج ذرا جلدی آ گئی تھی اور اب ڈیپارٹمنٹ کے سامنے کھڑی اصفہ کا انتظار کر رہی تھی۔

سبز رنگ کی کھلے بازوؤں والی شارٹ شرٹ کے نیچے سبز پلازو پہنے دوپٹہ گلے میں مفلر کی طرح ڈال رکھا تھا اور لیب کوٹ بازو پر تھا۔بالوں کو اونچی پونی میں باندھ رکھا تھا جو سر کو ہلانے ساتھ جھول جاتی تھی۔وہ کبھی موبائل پر ٹائم دیکھتی اور کبھی سر پر ہاتھ کا چھجا بنا کر مین گیٹ کی طرف دیکھتی لیکن اصفہ کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

بریرہ نے موبائل پر ٹائم دیکھتے سر اٹھایا تو سامنے سے ثوبان فیصل چلا آ رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں موبائل تھا۔اس نے بریرہ کو دیکھا تو مسکرا دور سے ہاتھ ہلا دیا، اس طرح کے موبائل کی بند سکرین سامنے تھی۔اس کے ہاتھ میں موبائل دیکھ کر بریرہ کا سانس رک گیا۔بریرہ کی بھوری آنکھوں نے اسکا تعاقب کیا یہاں تک کہ وہ ایک دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا تو بریرہ کو ہوش آیا۔بریرہ کا چہرا غصے سے سرخ پڑنے لگا تھا۔وہ اک دم پلٹی اور ڈیپارٹمنٹ کے پچھلی طرف جاتی گلی کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ ڈین آفس میں بیٹھی تھی۔معمر سے ڈاکٹر وہاج عبداللہ براؤن بٹن ڈاؤن شرٹ کے ساتھ بلیک ڈریس پینٹ پہنے بیٹھے تھے۔بال سیاہ ڈائی کر رکھے تھے اور ان میں کہیں کہیں سفید بال جھلک رہے تھے۔سانولے سے چہرے پر ہلکی سی داڑھی تھی اس میں بھی سفید بال جھلکتے تھے۔بریرہ اس دن کی ساری روداد انہیں سنا چکی تھی۔اب ڈاکٹر وہاج عبداللہ چہرے پر ناگواری سجائے، سوچتی نگاہوں سے ٹیبل پر پڑا پیپر ویٹ گھما رہے تھے۔

سر میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ وہ ویڈیو ڈیلیٹ ہو جائے۔میں اس کا کریئر خراب نہیں کرنا چاہتی۔بریرہ نے انہیں خاموش بیٹھے دیکھ کر کہا۔

میں مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتی ہوں سر۔میری ایسی کوئی ویڈیو، چاہے مذاق میں ہی ہو، کہیں اپلوڈ ہونا میں افورڈ نہیں کر سکتی۔بریرہ اپنی انگلیاں مروڑتی کہہ رہی تھی۔

آپ فکر مت کریں میں اس معاملے کو دیکھ لوں گا۔انہوں نے مسکرا کر تسلی دی تھی۔بریرہ سر ہلا "شکریہ" کہتی وہاں سے اٹھ آئی۔

اب وہ کلاس میں بیٹھی اصفہ کا انتظار کر رہی تھی تبھی اصفہ اندر آتی دکھائی دی۔سفید تنگ ٹراؤزر پر کھلی سی سترنگی گھٹنوں تک آتی قمیض پہنے لیب کوٹ ہاتھ میں پکڑے وہ گرمی سے بے حال تھی۔بال جوڑے میں لپیٹ رکھے تھے۔کرسی پر بیٹھتے ہی اس کی نظر بریرہ پر پڑی۔اس کا زرد چہرا دیکھ کر اک دم سیدھی ہوئی۔

کیا ہوا؟ پریشان ہو؟ اصفہ نے پریشانی سے پوچھا۔

میں نے ڈین کو بتا دیا۔بریرہ نے پریشانی سے کہا۔پہلے تو اصفہ کو کچھ سمجھ نہیں آیا لیکن جب سمجھ آیا تو وہ تقریباً اچھل گئی تھی۔

تو ڈین نے کیا کہا؟ اصفہ ارد گرد سے بے پرواہ بریرہ کی طرف متوجہ تھی۔

انہوں نے کہا کہ وہ اس معاملے کو دیکھ لیں گے۔بریرہ نے صاف گوئی سے کہا۔

تو تم پریشان کیوں ہو پھر؟ اصفہ نے نا سمجھی سے پوچھا۔

پتا نہیں۔بس عجیب سا ڈر لگ رہا ہے۔بریرہ نے کندھے اچکا کر کہا۔

کس بات کا ڈر؟ اصفہ نے پوچھا۔

اگر گھر میں پتا چل گیا تو؟ بریرہ نے انگلیاں مروڑتے ہوئے کہا۔

پتا چل گیا تو چل گیا۔اور ویسے انہیں کیسے پتا چلے گا؟ اصفہ ذرا مطمئن سی کرسی پر لیٹنے کی انداز میں بیٹھ گئی۔

تمھارے گھر والوں کو تو پتا نہیں چلے گا مگر میرا کیا ہو گا؟ بریرہ نے اس کی کندھے پر ہلکی سی چپت لگائی۔

ارے ہاں۔میں تو محسن بھائی کو بھول ہی گئی تھی۔اصفہ بھی اک دم سیدھی ہوئی۔بریرہ نے اسے بیچارگی سے دیکھا۔

اس سے پہلے کہ انہیں کسی اور سے پتا چلے تم انہیں خود بتا دو۔اصفہ نے مشورا دیا تھا۔

ہاں تاکہ وہ مجھے واپس اسلام آباد بھیج دیں۔پاگل ہو گئی ہو کیا؟ بریرہ نے غصے سے کہا۔

تو پھر صبر سے انتظار کر لو۔ڈین نے کہا ہے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔اصفہ نے ہار مان لی تھی۔

ویسے محسن بھائی کو کیوں نہیں بتا سکتی؟ اصفہ نے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

بس نہیں بتا سکتی نا۔بریرہ کا چہرہ یہ کہتے ہوئے ویران سا ہو گیا تھا۔

بھئی غلطی ہماری تو نہیں تھی نا۔پھر ڈر کیسا؟ اصفہ کو بریرہ کے ڈر کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی۔

پتا نہیں بھائی کس طرح ری ایکٹ کریں گے۔بریرہ نے کہا۔

خرم بھائی تو اس کی ہڈیاں توڑ دیں گے۔اصفہ نے اپنے بھائی کا نام لے کر کہا۔

تمہیں واقعی یہ لگتا ہے؟ بریرہ کو رشک ہوا تھا۔

ظاہر ہے۔بہن کو کوئی تنگ کر رہا تو بھائی خاموشی سے تماشا دیکھیں گے کیا؟ اصفہ نے سوال کے جواب میں سوال کیا۔

نہیں۔بریرہ نے کہہ کر منہ موڑ لیا۔

تم کس ری ایکشن سے ڈر رہی ہو؟ اصفہ اب کہ آنکھیں سکیڑ کر بریرہ کو دیکھ رہی تھی۔

چھوڑو اس بات کو کچھ اور بات کرتے ہیں۔بریرہ نے موضوع بدلنا چاہا۔

بیا۔کیا سوچ رہی ہو؟ اصفہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسکا رخ اپنے جانب پھیرا۔

میں بھائی کو نہیں بتا سکتی۔مجھے جو کرنا ہے خود کرنا ہے۔بریرہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

کیوں؟ اصفہ کی حیرت پر اب غصہ غالب آنے لگا تھا۔

کیونکہ بھائی بہنوں کا معاف نہیں کیا کرتے۔تم شائد بھول رہی ہو کہ ہم ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جہاں غلطی کسی کی بھی ہو سزا صرف کمزور کو دی جاتی ہے اور ہمارے بھائی تو ویسے ہی بہت

غیرت مند ہوتے ہیں۔غیرت مند بھی ایسے کہ ان کی غیرت صرف بہنوں کے لئے جاگتی ہے ان کو ایکسپلائٹ کرنے والے مردوں کے لئے نہیں۔ہمارے نیوز چینلز پر آئے دن غیرت کے نام پر قتل ہونے والی لڑکیوں کی روداد سنائی جاتی ہے۔کتنے ہی ایسے کیسس سننے میں آتے ہیں۔بریرہ کہتے ہوئے ہانپنے لگی تھی۔

تم خود بتاؤ تم نے غیرت کے نام پر مردوں کو قتل ہوتے دیکھا ہے کبھی؟ بریرہ نے کہا تو اصفہ کو اس پر ترس اور غصہ ایک ساتھ آیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

آج کل وقاص کمال کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی تھی۔وہ فاطمہ اور منیزہ کے بار بار کہنے پر بھی ڈاکٹر کے پاس جانے کو راضی نہیں ہوتے تھے تو منیزہ کو مجبوراً اس معاملے میں حسنین کی مدد لینی پڑی رہی تھی۔منیزہ جانتی تھی کے ابو کو یہ بات پتا چلنے پرڈانٹ پڑے گی لیکن رسک تو لینا تھا۔منیزہ نے آج آفس سے چھٹی کر لی تھی کہ وقاص کو خود ہاسپٹل لے کر جا سکے مگر وقاص ضد میں پتا نہیں کس پر گئے تھے۔

منیزہ نے چاکلیٹ براؤن ٹخنوں سے ذرا اوپر آتی قمیض پہن رکھی تھی جس پر سفید چھوٹے چھوٹے پھول بنے تھے۔اس کے ساتھ کھلے پائنچوں والے ہم رنگ پلازو پر بھی ایسے ہی پھول بنے تھے۔سفید دوپٹہ بیڈ پر پڑا تھا۔اور آدھے بال کیچر میں باندھ کر باقی بال کھلے چھوڑ دئے تھے۔

وہ خود کو آئینے میں دیکھتی فون کان سے لگائے گھنٹی سن رہی تھی ساتھ ایک ہاتھ سے گردن کا پچھلا حصہ دبا رہی تھی جیسے کسی پریشانی میں ہو۔آخر فون بج بج کر بند ہو گیا تو وہ فون لئے بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹ گئی ایسے کے اوپر چلتے پنکھے پر نگاہیں مرکوز کر رکھی تھی۔چند لمحے وہ لیٹی رہی پھر بے چینی سے اٹھ بیٹھی۔اب وہ کچھ سوچتے ہوئے مسلسل ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کا نگ گھما رہی تھی۔ وہی پرانی عادت۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

شہرام نے آج نیوی بلو تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔وائٹ شرٹ پر لگی نیوی بلو ٹائی کی گرہ ڈھیلی تھی۔بال جو صبح سیٹ کر رکھے تھے اب ذرا سے بکھر گئے تھے۔ابھی وہ گھر آیا ہی تھا کہ سعود نے

اسے منتحیٰ کا پیغام دیا کہ "مجھ سے آ کر ملو"۔شھرام جو تھکا ہوا آیا تھا سر ہلا کر منتحیٰ کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تبھی سعود نے اسکا بازو پکڑ کر اسے روک لیا۔

وصیعت کر جائیں بھائی۔ماما بہت غصے میں ہیں۔سعود نے اپنے ازلی شرارت بھرے انداز میں شھرام کے کان کے پاس سر گوشی کی۔شھرام نے ہنس کر اس کے سر پر ہلکا سا تھپڑ مارا اور آگے بڑھ گیا۔

شھرام دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آیا تو منتحیٰ ہلکے گلابی رنگ کی سادی قمیض کے ساتھ ہم رنگ شلوار پہنے دوپٹہ کندھوں پر پھیلائے بیڈ پر بیٹھی تھی۔وہ اندر آیا تو منتحیٰ مذید سمٹ کر بیٹھ گئی۔ان آنکھوں میں اداسی اور ناراضگی دونوں تھی۔

آپ نے بلایا تھا ماں؟ شھرام بہت پیار سے کہتا قریب آیا اور ان کا ہاتھ چوما, پھر ان کے پیروں کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا۔

ہاں تم سے بات کرنی تھی۔منتحیٰ کے انداز میں واضح ناراضگی تھی۔

جی میں سن رہا ہوں۔شہرام سر ہلا کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

اس دن جو تم نے کیا مجھے اچھا نہیں لگا۔میں نے تمہاری تربیت اس طرح کی تھی کیا؟ منتحیٰ کس بات پر دکھی تھیں شہرام سمجھ نہیں سکا تھا۔

کیا کیا میں نے؟ میں سمجھا نہیں۔شہرام نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

تم نے بدتمیزی کی تھی شہرام۔منتحیٰ نے زور دے کر کہا۔

کس سے؟ شہرام نے آنکھیں سکیڑے سوچ کر یاد کرنا چاہا۔

صدف باجی سے اور کس سے؟ منتحیٰ نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔

میں نے کب بدتمیزی کی؟ شہرام اب بھی الجھا ہوا تھا۔

تم نے بریرہ کو جس طرح وہاں سے اٹھنے کو کہا وہ بدتمیزی نہیں تھی کیا؟ منتحیٰ کا لہجہ اب سخت ہونے لگا تھا۔

او اچھا وہ بات ہے۔ شہرام نے سر جھٹکا۔

میں نے بتایا تو تھا بیا کو بکس لینی تھی ہمیں مارکیٹ جانا تھا۔ آپ بھول گئی کیا؟ شہرام جیسے منتحیٰ کو یاد دلایا تھا۔

اور تم بھول گئے کیا کہ میں تمہاری ماں ہوں تم میرے باپ نہیں ہو۔ منتحیٰ نے اپنا پسندیدہ مکالمہ کہا۔

مجھے پتا ہے تم نے کیا کیا بس یہ بتاؤ کہ کیوں کیا؟ کیا سوچتی ہوں گی باجی۔ منتحیٰ اسے دیکھتی اب دکھ سے کہہ رہی تھیں۔

کچھ بھی سوچیں کیا فرق پڑتا ہے؟ شہرام نے لاپرواہی سے سرگوشی میں کہا۔

شہرام۔میں نے کچھ پوچھا ہے۔اس بدتمیزی کا کیا جواز ہے تمہارے پاس؟ منتہیٰ اب کی کھڑی ہو گئی تھی۔

ماں کیا ہو گیا ہے اتنی بڑی بات تو نہیں ہے۔شہرام نے ان کے کندھوں کو تھام کر انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔منتہیٰ نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

میری تربیت پر حرف آئے گا شہرام۔تمہارے لئے تو واقعی کوئی بڑی بات نہیں ہے۔منتہیٰ نے غصے سے کہا۔

اچھا بیٹھیں نا۔بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔شہرام نے بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔منتہیٰ اسے گھورتے ہوئے بیٹھ گئی۔

میں بدتمیزی نہیں کرنا چاہتا تھا بس مجھے اچھا نہیں لگا کہ بیا وہاں ان لوگوں کے سامنے بیٹھے۔شہرام نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

وہ تو اپنے ہیں شہرام۔ان کے سامنے آ بھی گئی بیا تو کیا بڑی قیامت آگئی؟ منتہیٰ نے اس کو سمجھانا چاہا۔شہرام نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔بچپن کا ایک منظر نظروں کے سامنے جھلملانے لگا۔

وہ خوبصورتی سے سجا ہال کھچا کھچ لوگوں سے بھرا تھا۔ہر طرف مہمان ہی مہمان تھے۔منتہیٰ کے کسی کزن کی بیٹی کی شادی تھی۔منتہیٰ گولڈن ساڑھی پہنے کانوں میں بڑے بڑے آویزے پہنے ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی تھیں۔بالوں کو ڈھیلے جوڑے میں باندھ کر دو لٹیں چہرے پر آگے کو ڈال رکھی تھیں۔وہ اپنے کزنز سے عرصے بعد ملی تھی اس لئے وہ خوشی خوشی مختلف ٹیبلز پر جا کر سب سے مل رہی تھیں۔ابھی بھی وہ دور کھڑی کسی کزن سے باتیں کر رہی تھی۔کنزہ بھی ان کے ساتھ ساتھ ہی تھی۔اس نے بھی گولڈن پیروں کو چھوتی میکسی پہن رکھی تھی اور بال کھلے چھوڑ دئے تھے۔

دو سالا بریرہ اور سعود باقی بچوں کے ساتھ ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے اور شہرام مسلسل ان پر نظر رکھے ہو تھا۔شہرام اور حسنین نے ایک جیسے بلیک تھری پیس سوٹ پہن رکھے تھے، بس شرٹ کا رنگ ذرا سا مختلف تھا۔حسنین نے وائٹ اور شہرام نے آف وائٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔حسنین کو کوئی بینک کا کولیگ مل گیا تھا اور محسن ایگزامز کی وجہ سے گھر پر رک گیا تھا تو شہرام سخت بور ہو

رہا تھا۔شہرام اسے یہاں ہونے والی تمام سرگرمیوں سے آگاہ کر رہا تھا کیونکہ شہرام کے اسرار کے باوجود بھی محسن نہیں آیا تھا۔تنگ کرنا تو بنتا تھا۔

تبھی شہرام نے موبائل سے سر اٹھا کر سعود اور بریرہ کو ڈھونڈنا چاہا۔سعود تو اسے نظر آگیا تھا مگر بریرہ کہیں نہیں تھی۔شہرام موبائل اپنی پاکٹ میں رکھتا بغیر اس بات کا لحاظ کئے کے وہ لیڈیز سیکشن میں جا رہا ہے آگے بڑھتا گیا۔شہرام نے وہاں کھیلتے بچوں میں بریرہ کو ڈھونڈنا چاہا لیکن وہ وہاں کہیں نہیں تھی۔شہرام فوراً باہر کی جانب لپکا۔اس کے سامنے ہال تھا جہاں بارات کے استقبال والی پھولوں کی پتیاں ابھی تک فرش پر بکھری پڑی تھی۔کچھ پتیاں اس کے پیروں کے نیچے کچلی گئی تھیں۔

اف لوگ ایسے موقعوں پر کیوں بھول جاتے ہیں کہ پھول پیروں کے نیچے آنا بدتہذیبی اور پھولوں کی بے حرمتی ہوتی ہے۔شہرام سخت کوفت زدہ سا آگے بڑھا اور ہال میں جھانکا وہاں بھی کچھ بچے کھیل رہے تھے مگر بریرہ وہاں بھی نہیں تھی۔

بیا نے کیا پہنا تھا؟ شہرام خود سے سوال کرتا آگے بڑھنے لگا۔

ہاں پرپل باربی سٹائل فراک تھا۔اسے اک دم یاد آیا۔شہرام اب ہال پار کر کے باہر میں گیٹ کر قریب پہنچ چکا تھا اور وہاں اسے وہ فراک نظر آ گیا۔چند لمحے تو شہرام اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا مگر اگلے لمحے وہ تیزی سے بھاگا۔

بریرہ پرپل سلو لیس پھولا ہوا گھٹنوں تک آتا فراک پہنے کسی کی انگلی تھامے باہر جا رہی تھی وہ شخص جس نے بریرہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا مسکرا کر بریرہ سے کچھ کہہ رہا تھا اور بریرہ جواب میں مسکرا کر اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔سر ہلانے سے اس کے بال جو دو پونیو میں بندھے تھے ہلنے لگے۔

وہ راستہ بہت لمبا تھا یا شائد شہرام کے پیر آج اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔وہ جب تک ان دونوں تک پہنچا تب تک وہ ہانپ رہا تھا۔اس نے بریرہ کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔وہ چھوٹی سی بچی اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے گر گئی۔اس سے پہلے کہ وہ زمین بوس ہوتی شہرام نے اسے اپنی گود میں بیٹھا لیا۔

کہاں جا رہی تھی بیا؟ شہرام کی آواز کانپ رہی تھی۔

تاکیت (چاکلیٹ)۔بریرہ نے اپنی توتلی آواز میں پر جوش انداز میں کہا۔شہرام نے غصے سے ہانپتے ہوئے سر اٹھا کر اس شخص کو دیکھا۔وہ ذوہیب تھا۔ذوہیب، شہرام سے دو سال بڑا اور قد میں چند انچ اونچا تھا۔شہرام دوبارہ بریرہ کی طرف متوجہ ہوا۔

کتنی دفعہ کہا ہے کسی کے ساتھ ایسے نہیں جاتے۔شہرام نے غصے سے کہا تو بریرہ ڈر گئی، اس کی بڑی بڑی بھوری آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگی۔شہرام کو احساس ہوا تو سر جھٹک کر ایک غصیلی نظر ذوہیب پر ڈالتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔شہرام کی نظر میں کچھ ایسا تھا کہ ذوہیب دھیرے دھیرے پیچھے کو کھسکنے لگا۔وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ رہا تھا مگر شہرام سننے کے لئے نہیں رکا۔وہ بریرہ کا ہاتھ پکڑے اندر کی طرف آ گیا۔

میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں، کہاں گم ہو تم؟ شہرام کو منتہیٰ کی آواز ہوش میں واپس لائی تھی۔

کوئی اپنا نہیں ہوتا ماما۔شہرام نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

اچھا میں ایکسکیوز کر لوں گا۔بس آپ آئیندہ بیا کو ان کے سامنے مت بھیجئے گا۔مجھے اچھا نہیں لگا۔ شہرام کہہ کر منتحیٰ کے جواب کا انتظار کئے بغیر اٹھ کر باہر آگیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

محسن کو خبر ملی تھی کہ طاہر خلیل کے اس باس پرسن کا مہمان اس سے کراچی میں ملنے والا ہے۔محسن نے بہت کوشش کے بعد اس کلب کا پتا کروا لیا تھا جہاں وہ ملنے والے تھے۔اس کلب میں ٹھیک بارہ دن بعد ایک پارٹی تھی اور اسی پارٹی کے لئے اس نے کچھ لڑکیاں اپنے مہمان سے منگوائی تھیں۔ان لڑکیوں میں ایک میرال بھی تھی۔محسن کو اسے اس پارٹی سے نکالنا تھا۔اور ایسے نکالنا تھا کہ نا کبھی دوبارہ اس کا پیچھا کیا جائے اور نا ہی اس کلب میں کوئی شور مچے۔اس کا بس ایک ہی طریقہ تھا کہ محسن اس کی آزادی خرید لے۔

اب دس دن بعد وہ کسی کو بھیج کر اس لڑکی کو خرید لے گا پھر وہ آزاد ہو گی اور شائد محسن بھی۔مگر اس "کسی" کا تو کبھی کبھی منہ توڑ دینے کو دل چاہتا تھا۔"اچھا بلیک میلر ملا ہے مجھے"۔محسن کو اپنی اور سعود کی بالکونی میں ہوئی آخری ملاقات یاد آئی۔محسن فون بک میں اسکا نمبر ڈھونڈ رہا تھا۔"بردر

ڈیئریسٹ"(brother dearest)۔محسن اسکا نمبر ملانے کے بعد بھی کشمکش میں تھا۔تبھی دوسری طرف سے فون اٹھا لیا گیا۔

تو آفیشل کال آہی گئی۔میں کب سے آپ کی کال کے انتظار میں تھا سر۔دوسری طرف وہی غیر سنجیدہ سا سعود کہہ رہا تھا۔

تم نے ایسے ہی نان-سیریس ایٹیٹیوڈ کے ساتھ کام کرنا ہے تو رہنے دو۔میں کسی اور کو ڈھونڈ لوں گا اس کام کے لئے۔محسن نے دھمکی دی تھی اور دھمکی کا اثر بھی ہوا تھا۔

اچھا اچھا اب میں سیریس ہوں۔بتائیں کیا پلان ہے؟ سعود واقعی سنجیدہ ہوا تھا۔

گڈ۔اب سنو۔۔۔اور محسن اس کو سارا پلان سمجھاتا گیا۔

یہ کام تو ہو گیا اب اگلا مسئلہ بریرہ کا تھا۔محسن اس کو یہاں اکیلے چھوڑ کر جا نہیں سکتا تھا اور اس کو کسی اور کے پاس بھیج نہیں سکتا تھا۔کسی کا کیا اعتبار؟ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کے فون بجنے لگا۔محسن

نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔عالیان حیدر کی کال تھی۔ذہن میں جھماکا ہوا۔اس نے کال اٹھائی اور فون کان سے لگایا۔

ہاں بولو۔محسن اس کی بات سننے لگا۔

وہاں شائد تمہاری ضرورت نہ پڑے۔تمہارے لئے یہاں ایک کام ہے۔دوسری طرف خاموشی ہو گئی۔

تم میرے گھر اور میری بہن کی حفاظت کرو گے۔اور ایک بات۔اسکو معلوم نہیں ہونا چاہیئے کہ میں لاہور میں نہیں ہوں۔محسن نے حکم سنایا تھا۔پھر دوسری چھوٹی چھوٹی ڈیٹیلز سن کے محسن نے فون بند کر دیا لیکن تسلی اسے اب بھی نہیں ہوئی تھی۔اب وہ ایک اور نمبر ملا رہا تھا۔فون فوراً ہی اٹھا لیا گیا تھا۔

ایک نمبر دے رہا ہوں۔اگلے پندرہ دن اس نمبر کی لوکیشن پر نظر رکھنا۔ایک سیکنڈ کی بھی غفلت نہیں ہونی چاہیئے۔محسن نے اپنی طرف کی بات کر کے فون رکھ دیا۔کچھ دیر فون دیکھتا رہا پھر سر جھٹک دیا۔اسے دس دن بعد کراچی جانا تھا تب تک اسے ہر طرح سے تیاری کرنی تھی۔

○○○

○○○

فاطمہ سفید اور کالی سیدھی دھاریوں والی لمبی قمیض کے ساتھ سفید اور کالی دھاریوں والا ٹراؤزر پہنے کالی چادر سے خود کو مکمل ڈھانپے ہاسپٹل کر کوریڈور میں لگے بنچ پر بیٹھی تھیں۔ہاتھوں کو باہم پھنسائے زیرِ لب وہ کوئی دعا پڑھ رہی تھیں۔چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ان کے برعکس محتاب نے لیمن ییلو لمبی شرٹ کے ساتھ نیلی جینز پہن رکھی تھی اور شرٹ کا ہم رنگ دوپٹہ گلے میں ڈال رکھا تھا۔

کیا ہوا ابو کو؟ منیزہ ان دونوں کے قریب پہنچنے تک ہانپ رہی تھی۔

صبح سے ہی طبیعت ٹھیک نہیں تھی ان کی۔سٹور چلے گئے، اب واپس آئے تو سینے میں درد کی شکایت کر رہے تھے۔پھر اچانک ہی گر سے گئے۔فاطمہ روتے ہوئے بتا رہی تھیں۔

آپ نے جانے ہی کیوں دیا۔آپ روک لیتی ان کو۔منیزہ نے پریشانی سے کہا۔

میں نے کیا تھا منع مگر تم جانتی تو ہو ان کو۔فاطمہ نے بے بسی سے کہا۔

ابو تو کبھی ایسے بیمار نہیں ہوئے۔اب کیا ہو گا آپی؟ محتاب کی ناک اور آنکھیں رونے کے باعث سرخ ہو چکی تھیں۔ منیزہ کا دل پسیج گیا۔

کچھ نہیں ہو گا ابو ٹھیک ہو جائیں گے۔ منیزہ اس کے قریب بیٹھتے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر تھپکنے لگی۔اب وہ تینوں خاموش بیٹھی ڈاکٹر کے باہر آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک درمیانی عمر کا ڈاکٹر باہر آیا۔ منیزہ فوراً اٹھ کر ڈاکٹر کی طرف بڑھی۔

ابو کیسے ہیں؟ منیزہ نے بے چینی سے پوچھا۔

ان کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا لیکن اب ٹھیک ہیں۔ابھی ان کو روم میں شفٹ کریں گے تو آپ مل لیجئے گا۔ڈاکٹر مسکرا کر منیزہ کو تسلی دے رہا تھا۔

میں ان کے لئے کچھ میڈیسنز اور احتیاط لکھ دیتا ہوں۔اس کے علاوہ ان کو ریسٹ کروائیں۔ڈاکٹر ہدایات دے کر آگے بڑھ گئے تھے۔ منیزہ ابھی وہیں کھڑی لمبی لمبی سانسیں لے رہی تھی۔

○○○

تو اب مانیں گی کیسے؟ وقاص نے چہرے پر معصومیت طاری کرتے ہوئے کہا۔

آپ کی بیوی ہیں۔آپ بہتر جانتے ہوں گے۔منیزہ نے ہنسی دبا کر کہا۔

مطلب تم مدد نہیں کرو گی؟ وقاص نے بھنویں سکیڑ لیں۔

بالکل نہیں۔منیزہ نے ہاتھ اٹھا دئے تو وقاص ہنس دیے۔

اچھا تمہاری امی کو تو منا لوں گا میں تم ایک اور کام کرو۔اس دفعہ وقاص ذرا سنجیدہ تھے۔منیزہ نے سر ہلا دیا۔

حسنین کو فون کرو اور اس سے کہو کہ داور کو لے کر کل ہی گھر آ جائے۔اور اپنی امی کو مت بتانا اس بارے میں۔آخری جملہ وقاص نے سرگوشی میں کہا۔

تم بھی سن لو۔ منیزہ کو سمجھا کر اب وہ محتاب کی طرف مڑ چکے تھے۔شائد وہ نہیں جانتے تھے کہ محتاب سو چکی ہے۔

ابو یہ داور وہی ہیں نا آپ کے دوست؟ منیزہ نے یاد کر کے کہا۔

دوست اور وکیل بھی۔وقاص نے مختصراً جواب دیا۔

تو ان سے ملنے کی کیا ضرورت آن پڑی۔ منیزہ الجھتے ہوئے پوچھا۔

تم کرو گی فون یا نہیں؟ وقاص نے بڑے آرام سے پوچھا تھا۔اس کا مطلب تھا کہ منیزہ نہیں کرے گی تو وہ آئیندہ کام کہیں گے ہی نہیں۔

اچھا کر دوں گی ناراض تو نہ ہوں۔ منیزہ نے فوراً ہامی بھری۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

مسز زاہدہ بلوچ ہسٹری پڑھاتی تھیں۔وہ لمبی خوش شکل سی درمیانی عمر کی خاتون، میرون لمبی قمیض جس پر میرون ہی کڑھائی کی گئی تھی ہم رنگ ٹراؤزر پر پہنے، ڈائس کے پیچھے کھڑی کچھ کہہ رہی تھی۔ سعود سامنے بورڈ کو دیکھتا کہیں اور گم تھا۔سعود کا آج کل پڑھائی میں دل بالکل نہیں لگ رہا تھا اور یہ بات شہاب نے نوٹ کر لی تھی۔

کہاں گم ہو؟ شہاب نے کہنی مار کر متوجہ کیا۔

اگلے کچھ دنوں میں مجھے لاہور جانا پڑ سکتا ہے۔سعود نے نظر بورڑ پر مرکوز کئے ہوئے کہا۔

اچھا۔خیریت؟ شہاب کی نظر بھی بورڈ پر تھی۔

ابھی تک تو ہے۔آگے دیکھو۔سعود نے کندھے اچکا کر کہا۔

ویسے مجھے بھی شائد گاؤں جانا پڑے۔ابا بلا رہے ہیں۔شہاب نے کہا۔

پھر کب جانا ہے؟ سعود نے سرگوشی کی۔

اگلے ہفتے۔شہاب ذرا بیزار سا تھا۔

اور واپسی؟ سعود نے دوبارہ پوچھا۔

ویک اینڈ پر وہیں رکوں گا پھر آ جاؤں گا۔شہاب نے لا پرواہی سے کہا۔

اوکے۔ویسے تیرے عیش ہیں۔گاؤں کا اگلا سرپنچ، واہ۔سعود نے ستائش سے کہا۔شہاب نے کچھ کہنے کو لب کھولے تبھی مسز زاہدہ نے ان کو ٹوکا۔

سعود، شہاب کیا مسئلہ ہے؟ میں بہت دیر سے آپ دونوں کو نوٹ کر رہی ہوں۔اب آپ دونوں بات کرتے ہوئے نظر آئے تو کلاس سے باہر ہوں گے۔مسز زاہدہ دوبارہ لیکچر کی طرف متوجہ ہو گئی اور ان دونوں نے "سوری میم" کہہ کر سر جھکا لئے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

حسنین آج تین دن بعد وکیل کے ساتھ آئے تھے۔وکیل کو باہر بیٹھا کر وہ وقاص کو لینے اندر آئے۔ وقاص ان کے انتظار میں تھے سو آتے ہی کھڑے ہونے لگے لیکن کمزوری کی وجہ سے لڑکھڑا گئے۔ حسنین نے فوراً آگے بڑھ کر سہارا دیا۔

تمہیں تین دن لگ گئے وکیل کو لانے میں۔وقاص نے ذرا رعب سے کہا۔

بس ذرا مصروف تھا۔آج بھی مشکل سے وقت نکالا ہے۔حسنین نے خجالت سے صفائی پیش کی اور ان کو لئے باہر آ گئے۔داور ان کو دیکھ کر فوراً اپنی جگہ کھڑے ہوئے۔وقاص نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ واپس بیٹھ گئے۔

کیسے ہو داور؟ وقاص نے رسماً پوچھا۔

میں تو ٹھیک ہوں وقاص صاحب آپ بڑے کمزور ہو گئے ہیں۔داور نے تیمارداری کے انداز میں کہا۔

ہاں بس بڑھاپا آگیا ہے۔وقاص نے مسکرا کر کہا۔

ارے کہاں وقاص صاحب؟ اتنی جلدی بڑھاپا؟ داور نے ہنس کر کہا۔

خیر آپ بتائے کسی کام کے لئے بلایا تھا ؟ داور فوراً مدعے پر آئے۔

ہاں ایک کام تھا۔اپنی پراپرٹی اپنی زندگی میں ہے اپنے وارثوں کے نام کر دینا چاہتا ہوں۔وقاص کہہ کر کھانسنے لگے۔

دوسرے کمرے میں فاطمہ بیڈ پر بیٹھی تھیں اور منیزہ کمرے میں چکر کاٹتی انگلی میں پہنی انگوٹھی کا نگ گھما رہی تھی۔محتاب کے ایگزامز چل رہے تھے تو وہ کالج گئی ہوئی تھی۔منیزہ نے آج صرف وہ ڈیزائن ہی اپروو کروانا تھا تو وہ آفس سے جلدی آ گئی تھی۔سفید ٹراؤزر پر میرون بند گلے والی گھٹنوں تک آتی قمیض پہن رکھی تھی اور بال فرنچ چوٹی میں باندھ رکھے تھے۔دوپٹہ اتار کر بیڈ پر رکھ دیا تھا۔

ابو نے وکیل کو کیوں بلایا ہے؟ منیزہ چلتے چلتے اک دم رک کر فاطمہ سے پوچھنے لگی۔فاطمہ نے "پتا نہیں" والے انداز میں کندھے اچکا دئے۔منیزہ دوبارہ چکر کاٹنے لگی۔ابو نے کہا تھا کہ "جب تک میں نا بلاؤں تب تک باہر مت آنا"۔اب پتا نہیں کتنی دیر اور انتظار کرنا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد کسی نے باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا۔فاطمہ نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور منیزہ چلتے چلتے اک دم رکی پھر فوراً دروازے تک آئی۔منیزہ کو پتا تھا کے ابو بغیر سہارے کے چل نہیں سکتے اور وکیل صاحب ان کے کمرے کے دروازے پر کبھی نہ آتے تو یقیناً یہ چاچو ہوں گے۔اس نے فوراً دروازہ کھولا۔حسنین نے انہیں باہر آنے کا کہا اور خود بھی باہر چل دئے۔منیزہ اور فاطمہ ان کے پیچھے باہر آئیں۔

وقاص اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔حسنین نے بھی اجازت چاہی۔منیزہ نے فاطمہ کو اشارہ کیا تو وہ سمجھ کر آگے بڑھی اور حسنین کو پکارا۔

بھائی تھوڑی رک جائیں۔کھانا کھا کر چلے جایئے گا۔فاطمہ نے انہیں روکنا چاہا۔مگر انہوں نے "پھر کبھی صحیح" کہہ کر منع کر دیا۔فاطمہ نے انہیں دوبارہ آواز دی۔

وقاص نے وکیل کو کیوں بلوایا تھا؟ فاطمہ انہیں کچھ پریشان لگی تھیں۔

بھائی صاحب آپ کو خود بتا دیں گے۔اتنی بڑی بات نہیں ہے آپ پریشان نہ ہوں۔حسنین ان کو تسلی دے کر باہر نکل آئے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

ڈاکٹر ماہ جبیں فیصل اس وقت ڈاکٹر وہاج عبداللہ کے آفس میں بیٹھی تھی۔زرد لمبی قمیض ،جس کے دامن پر شوخ گلابی رنگ کے پھول بنے تھے، کے ساتھ زرد ٹراؤزر پہنے وہ کرسی پر آگے ہو کر بیٹھی غیر آرام دہ لگ رہی تھیں۔ان کا رنگ ان کے کپڑوں کی طرح ہی زرد تھا۔ان کے سامنے بیٹھے ڈاکٹر وہاج نے بلیک بٹن ڈاؤن شرٹ اور بلیک ڈریس پینٹ پہن رکھی تھی۔ٹیبل پر رکھے ہاتھ باہم ملا رکھے تھے۔

دیکھئیے مسز فیصل آپ کے بیٹے کی اس سے پہلے بھی کمپلینٹ آ چکی ہے۔میں ہر دفعہ اس کی غلطیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔کل کو اگر کسی طرح یہ بات باہر نکلتی ہے کہ اس کالج کی ایک پرانی اور قابل پروفیسر کا بیٹا اس طرح اپنی جونیئرز کو تنگ کرتا ہے تو اس کالج کی بدنامی ہو گی۔اس کالج کی

اور میری ایک ساکھ ہے معاشرے میں جو خراب ہو گی۔I hope you understand۔ڈاکٹر وہاج کہہ کر خاموش ہو گئے۔

آپ کے شوہر فیصل شاہ میرے پرانے کولیگ اور دوست رہے ہیں۔اسی لئے میں اب تک ثوبان کو نہ صرف ڈھیل دیتا آیا ہوں بلکہ اس کو ڈیفینڈ بھی کرتا رہا ہوں لیکن اس لڑکی کا بھائی اس شہر کا ایس پی ہے۔میں نہیں جانتا کہ وہ لڑکی کیا کرے گی آگے لیکن اگر اس نے کوئی لیگل قدم اٹھایا تو میں آپ کا یا ثوبان کا ساتھ نہیں دوں گا۔وہ دو ٹوک انداز میں انہیں بتا رہے تھے۔

میں نے ثوبان کو سمجھایا تھا۔میں نے کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کو written apology دے دے مگر آپ کے بیٹے میں آج بھی ویسی ہی اکڑ ہے جیسی تب ہوا کرتی تھی جب اس کا باپ اس کالج کا ڈین تھا۔آپ اسے سمجھایئے کہ اس کا باپ اور اس کالج کا سابقہ ڈین اب اس دنیا میں نہیں ہے۔آپ اکیلی عورت کس کس کا مقابلہ کریں گی؟ میں پھر کہہ رہا ہوں اگر اس لڑکی نے لیگل ایکشن لیا تو میں آپ کی مدد نہیں کروں گا۔مجھے اپنی اور اس کالج کی ساکھ بہت عزیز ہے۔ڈاکٹر وہاج انہیں سمجھا رہے تھے لیکن وہ پتا نہیں سن بھی رہی تھیں یا نہیں۔

میں اسے سمجھا دوں گی آپ پلیز اس معاملے کو تھوڑا سا Delay کر دیں۔ماہ جبیں ان کی منت کرنے لگی تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

ثوبان بلیک جینز پر بلیک ٹی شرٹ پہنے لیب کوٹ ایک طرف بیگ کے اوپر رکھے اپنے دوستوں میں بیٹھا تھا جب ایک پیون اس کے پاس آیا۔آپ کو ثوبان صاحب ڈاکٹر ماہ جبیں نے اناٹمی لیب میں بلایا ہے۔ثوبان ایم بی بی ایس کے آخری سال میں تھا لیکن اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ اسے ایم بی بی ایس میں زبردستی دھکیلا گیا ہے۔اسے سب یہاں ڈاکٹر ماہ جبیں فیصل کے توسط سے جانتے تھے۔پیون اس کو پیغام دے کر چلا گیا تو وہ بھی اپنے دوستوں کو ہاتھ ہلا کر اٹھا اور لیب کی طرف بڑھا۔

وہ لیب میں آیا تو ماہ جبیں پریشانی سے چکر لگا رہی تھیں۔ان کا رنگ زرد تھا اور آنکھوں میں بے پناہ غصہ تھا۔ثوبان دروازہ بند کرتا قدم قدم چلتا ان کے قریب آیا۔

کیا ہوا ممی اتنی۔۔۔ثوبان کے الفاظ اس کی زبان پر ہی ٹھہر گئے تھے۔ماہ جبیں نے اسے اتنے زور سے تھپڑ مارا تھا کہ وہ اپنے چہرے پر ہاتھ رکھے شاکڈ سا دو قدم پیچھے ہٹا۔

تم کب تک مجھے اسی طرح ذلیل کرتے رہو گے؟ میں کب تک تمہاری غلطیاں کوور کرتی رہوں؟ تم آخر کب بڑے ہو گے ثوبان؟ وہ بے بسی سے چیخ رہی تھیں۔ثوبان اب تک منہ پر ہاتھ رکھے انہیں بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔

تم کیوں ایک کے بعد ایک مسئلہ کھڑا کر دیتے ہو میرے لئے؟ میں کہاں جاؤں؟ میں اکیلی عورت کیا کیا کروں؟ کس کس سے لڑوں؟ کس کس کا منہ بند کروں؟ تم اتنے بڑے گھوڑے ہو گئے ہو لیکن عقل نام کی چیز نہیں ہے تم میں۔میں نے سوچا تھا کہ بیٹا بڑا ہو گا تو بیوہ ماں کا سہارہ بنے گا، میری شیلڈ بنے گا لیکن تم۔تم ثوبان۔تم میری گردن کا طوق بن گئے ہو۔ایسا طوق جس کے وزن سے میرا سر ہر دفعہ جھک جاتا ہے۔ہر کسی کے سامنے۔ڈاکٹر ماہ جبیں روتے ہوئے دہائی دے رہیں تھیں۔وہ صبر اور ضبط کی انتہا پر تھیں۔

تم نے ہمیشہ یہی کیا۔کبھی کسی کے ساتھ مذاق، کبھی کسی کی ریگنگ، کبھی کسی کے ساتھ کوئی بھوندا سا پرینک۔میں نے ہر جگہ تمہیں پروٹیکٹ کیا۔ڈاکٹر وہاج نے ہر دفعہ تمہاری پردہ پوشی کی۔میں تمہیں سمجھا سمجھا کر تھک گئی لیکن تم ٹھہرے وہی گھامڑ۔تمہاری عقل میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ تمہاری فضول حرکتوں کے لئے شرمندہ مجھے ہونا پڑتا ہے۔تم تو بڑے آرام سے کہہ دیتے ہو کہ "میں

نے تو بس مذاق کیا تھا آپ سنبھال لیں نا"۔ تمہیں پتا ہی نہیں۔ تمہیں احساس ہی نہیں ہے کہ میں کیسے "سنبھالتی" ہوں سب۔ماہ جبیں نے زور دے کر کہا۔ثوبان سر جھکائے کھڑا تھا۔ہاتھ پہلو میں گرے ہوئے تھے۔اس کے دائیں گال پر چار انگلیوں کے سرخ نشان واضح دکھائی دے رہے تھے۔

اس دفعہ جس کے ساتھ پرینک کیا ہے نا تم نے وہ اس شہر کے ایس پی کی بہن ہے۔تم نے اس کی اجازت کے بغیر اس کی ویڈیو بنائی اور جب اس نے ڈیلیٹ کرنے کا کہا تو تم اکڑ گئے۔تم نے اسے دھونس دی۔اس نے ڈاکٹر وہاج سے کمپلینٹ کر دی اور ڈاکٹر وہاج نے پتا ہے کیا کہا؟ ماہ جبیں نے پوچھا پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر کہنے لگی۔

انہوں نے کہا کہ "اگر اس لڑکی نے کوئی لیگل ایکشن لیا تو میں آپ کی یا ثوبان کی کوئی مدد نہیں کروں گا"۔اب وہ تم سے اگر written apology مانگ رہے ہیں تو اس پر بھی تمہارے نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے۔Oh the audacity you have۔ماہ جبیں پریشانی سے اپنے بال نوچنے لگی تھی۔

ممی میں نے۔۔۔ثوبان نے کچھ کہنا چاہا لیکن ماہ جبیں نے اسے خاموش کروا دیا۔

شٹ اپ۔جسٹ اپ ثوبان فیصل۔مجھے کوئی فضول بات نہیں سننی۔تم اس لڑکی کو written apology دو گے۔سنا تم نے؟ سنا یا نہیں؟ ماہ جبیں خاموش دیکھ کر غرائی تھیں۔ثوبان بس سر ہلا کر رہ گیا۔

ابھی کے لئے اس کو یقین دلاؤ کے تم نے ویڈیو ڈیلیٹ کر دی ہے۔اور معافی مانگ لو بعد میں میں اسے دیکھ لوں گی۔ماہ جبیں نے اکھڑتی ہوئے سانسوں کے درمیان کہا۔ثوبان نے بس سر ہلا دیا اور باہر چلا گیا۔اس کا دائیاں گال ابھی تک احساسِ حتک سے جل رہا تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

شہاب کو اس کے تایا کے ڈرائیور نے ہاسٹل سے پک کر لیا تھا۔دو گھنٹے کے طویل سفر کے بعد اب وہ گاؤں کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔شہاب گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا باہر بھاگتے مناظر دیکھ رہا تھا۔وہ جب بھی گاؤں آتا تھا اسے یہ گاؤں پہلے سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتا تھا۔سورج ڈھل رہا تھا ہر طرف نارنجی سی دم توڑتی دھوپ تھی۔ابا نے گارڈ ساتھ بھیجنے کی بات کی تو شہاب نے صاف کہہ دیا "گادڈز بھیجیں گے تو میں نہیں آؤں گا۔ایسا لگتا ہے مجرم گرفتار ہو کہ جا رہا ہو۔اور جو لوگ مڑ مڑ کر دیکھتے ہیں وہ الگ"۔ابا جانتے تھے کہ شہاب کو یہ پروٹوکول کتنا برا لگتا تھا۔اب وہ کہہ رہا تھا کہ وہ اس طرح نہیں آئے گا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ واقعی نہیں آئے گا تو ابا کو بات ماننی پڑی۔

اسے آج بھی یاد تھا کہ ابا فجر پر اس کی انگلی پکڑ کے اسے ان کھیتوں اور گلیوں سے گزار کر مسجد لے کر جاتے تھے۔اس وقت کی ٹھنڈی، میٹھی ہوا اسے بہت اچھی لگتی تھی۔اور گاؤں کی وہ کچی مسجد، جہاں ابا اسے ساتھ لئے نماز پڑھنے آتے تھے، شہاب کو ہمیشہ اپنی طرف کھینچتی تھی۔وہ ابا کو اکثر دعا مانگتے دیکھتا تھا۔ابا دعا مانگتے ہوئے کبھی رو پڑتے تو کبھی بالکل خاموش ہو جاتے۔شہاب ان سے وجہ پوچھتا

تو وہ کہتے کے وہ افتخار (شہاب کے والد) کے لئے دعا کرتے ہیں انہیں ان کا بھائی یاد آتا تھا۔شہاب نے کبھی اپنے والدین کو نہیں دیکھا تھا ہمیشہ ان کا نام ہی سنا تھا۔ابا اسے اس کے والد کے قصے سنایا کرتے تھے اور اسے اس کے والدین کے متعلق بتاتے ہوئے اکثر ابا کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔

شہاب ابھی ان سوچوں میں گم تھا جب اک دم گاڑی کو بریک لگی۔شہاب جھٹکے سے آگے ہوا گردن اور کندھے کو جھٹکا لگا تھا لیکن درد اور جلن اتنی شدید تھی کہ شہاب کو اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔پھر ایسی ہی جلن اور درد اسے اپنی کمر پر پسلیوں کے قریب محسوس ہوئی۔شہاب نے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔شہاب نے اپنے گردن پر ہاتھ رکھا تو اسے کچھ گیلا سا محسوس ہوا۔پسینہ؟ اونہوں

گاڑی میں تو ای سی چل رہا تھا۔شہاب نے اپنا ہاتھ چہرے کے سامنے کیا تو وہ خون تھا۔شہاب نے بامشکل گردن اٹھا کر ڈرائیور کو دیکھا۔اس کا سر پیسنجر سیٹ پر پڑا تھا۔اور اس کی قمیض پر بھی خون لگا تھا۔

شہاب کو ہلنے کی بھی مہلت نہیں لی۔اس کی طرف کا دروازہ کھلا اور کسی اس کو پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب پھیرا۔اس شخص کے چہرے پر نقاب تھا۔شہاب نے اس کے چہرے سے نقاب کھینچ کر اتارا۔ اس کا چہرہ واضح ہوا تبھی ہی اس نے اپنی گن کا دستا شہاب کے سر پر دے مارا شہاب کی آنکھیں بند ہونے لگی۔وہ شخص اب ہنس کر کچھ کہتا ہوا دور جا رہا تھا شہاب کی آنکھیں اور سماعت بند ہو گئیں۔ لیکن دماغ میں کو چہرہ حفظ ہو گیا تھا۔چودھری رشید۔

شہاب کو ہوش آیا تو روشنی آنکھوں کو چندھیانے لگی۔وہ پیاس کی شدت سے نڈھال تھا۔اس نے مندی مندی آنکھوں سے دیکھا کالے کپڑوں میں کوئی نسوانی وجود کالی چادر سے خود کو ڈھانپے رخ پھیر کر کھڑا تھا۔شہاب نے اسے آواز دینا چاہی مگر حلق سے آواز نہیں نکلتی تھی۔اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو گردن اور کمر میں بیک وقت درد کی شدید لہر اٹھی۔شہاب کراہ کر رہ گیا۔اس کی آواز سن کر وہ نسوانی وجود پلٹا۔اس نے چادر کو چہرے پر ترچھا ڈال ایک کونہ دانتوں میں دبا رکھا تھا۔اس

طرح کہ صرف آنکھیں اور بائیاں گال نظر آتا تھا۔شہاب نے غور سے اس کی آنکھیں دیکھی۔وہ سنہری آنکھیں دھوپ کے باعث سونے کے سکوں جیسی چمک رہی تھیں۔ان میں فکر مندی تھی، ہمدردی تھی، خیال تھا۔شہاب کو وہ آنکھیں دنیا کی خوبصورت ترین آنکھیں لگی تھیں پھر شہاب کی پلکیں دوبارہ بھاری ہونے لگی۔ہر چیز کو اندھیرے نے نگل لیا سوائے ان چمکتی، فکرمند آنکھوں کے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

ختم شد